"میڈم! کیسی گزر رہی ہے۔" یونس نے چیونگم کا پیس دانتوں سے کچلتے ہوئے کہا اور حنا کا منہ بن گیا۔

"جیسی گزر رہی ہے۔ میرا دل ہی جانتا ہے۔ مگر تمہیں تو خوشی ہوتی ہوگی۔ میرے حال پر۔"

"افسوس..... صد افسوس بات یہ ہی تو ہے حناء کبھی کبھی کوئی اس طرح آنکھیں بند کر لیتا ہے کہ اسے کچھ نظر نہیں آتا کہ کون اپنا ہے۔ کون بیگانہ مجھے تو تم نے ہمیشہ غیر ہی سمجھا جب بھی میں نے کچھ کہا تمہارے دل میں یہ ہی خیال آیا کہ جو کچھ کہہ رہا ہوں اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے کہہ رہا ہوں۔"

"یار یہ ساری باتیں کر کے کیوں میرے دکھی دل کو دکھاتے ہو۔ میں نے اس بوڑھی بلا کو کچھ اور ہی سمجھا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ کبھی کبھی عقل اس قدر خبط ہو جاتی ہے کہ انسان اپنی ہی ذات میں آسیب کا شکار ہو جاتا ہے۔"

"اچھا جملہ ہے اپنی ذات کی آسیب اور بوڑھی بلا یار تمہیں تو کچھ زیادہ ہی بولنا آ گیا ہے۔" یونس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "شادی سے پہلے اسی کو ڈیئر اور ڈارلنگ کہتے کہتے تمہارا منہ سوکھتا تھا۔ کمال ہے انقلابات ہیں زمانے کے۔" حنا نے ایک گہری سانس لی اور کرسی کی پشت سے کمر ٹکاتے ہوئے کہا۔

"یہ اس وقت کی بات ہے۔ جب میں صرف اس کی دولت کی طرف نظر دوڑاتی تھی۔ اس کی شکل و صورت' اس کے سراپے پر تو میں نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ اس وقت میرا خیال تھا کہ دولت انسان کی ہر ضرورت پوری کر دیتی ہے لیکن افسوس' صد افسوس اس بوڑھی بلا کے ساتھ زندگی کے دو سال گزارنے کے بعد مجھے یوں لگا جیسے میں نے غلط سوچا تھا۔ دولت بے شک پیٹ بھر سکتی ہے۔ جسم ڈھانپ سکتی ہے۔ دنیا کی ہر آسائش مہیا ہو سکتی ہے لیکن انسان کی طلب یہ ہی سب کچھ نہیں ہے۔ وہ اور بہت کچھ چاہتا ہے۔"

"اور میں نے تمہیں یہ بات پہلے ہی سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ تو تم نے میرا مذاق اڑایا تھا اور مجھے جیلس قرار دیا تھا۔"

"مجھے اپنی حماقت کا احساس ہے۔ بار بار یہ احساس مت دلاؤ۔"

"مگر دیکھ لو...... وقت کس طرح انسان پر اپنی گرفت کر لیتا ہے۔ اب تم مکڑی کے جالے میں پھنسی ہوئی ایک مکھی کی مانند ہو۔"

"نہیں اگر تم میرا ساتھ دو تو نہ میں مکڑی کے جالے میں پھنسی ہوئی مکھی ہوں اور نہ ہی کوئی بے بس مخلوق میں پھر سے اپنی آزاد زندگی حاصل کر سکتی ہوں لیکن شرط یہ ہی ہے کہ تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"تمہیں نہیں کرنا تو مجھے ہی ہوگا۔ میں شمشاد صاحب سے صاف صاف کہہ چکی ہوں کہ وہ مجھے طلاق دے دے۔"

"تم نے کہا اور اس نے دے دی۔" یونس کچھ سنجیدہ ہو گیا۔ "میں اس کی فطرت سے واقف ہوں۔ کسی چیز پر قبضہ کے بعد وہ اس سے دستبردار ہونے کا عادی نہیں ہے۔"

"لیکن میں کوئی چیز نہیں ایک جیتی جاگتی عورت ہوں۔ وہ مجھے۔"

"یہ ایک بحث طلب مسئلہ ہے اور اس وقت میرے پاس کسی بحث میں پڑنے کا ٹائم نہیں ہے۔" یونس نے اپنی رسٹ واچ دیکھی۔

"ڈر رہے ہو کہ کہیں شمشاد نہ آ جائے۔"

"یہ بات نہیں' میں نے اپنے نئے ڈرامے کی ریہرسل کے لیے آرٹسٹوں کو تھیٹر بلایا ہے۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"میرے طلاق چاہنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شمشاد نے مجھ پر اسٹیج اور فلم میں کام کرنے پر پابندی لگا دی ہے۔" حنا نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں آزاد ہو گئی تو کیا تم مجھے اسٹیج پر پیش کرو گے' میں دوبارہ اپنی سابقہ شہرت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔"

"خواب دیکھنا چھوڑ دو۔ یہ سوال اس وقت پوچھنا۔ جب شمشاد تمہیں طلاق دے دے۔"

"اور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" ڈرائنگ روم کے دروازے سے ایک بھاری کڑک دار آواز بلند ہوئی۔

حنا اور یونس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا جہاں قد آور سیٹھ شمشاد بیگ کئی ملوں اور فیکٹری کارخانوں کا پچپن سالہ مالک انہیں سخت اور بے رحم نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کی اچانک آمد نے حناء اور یونس کو قدرے بوکھلا دیا تھا۔ یونس کچھ پریشان اور خوفزدہ بھی محسوس ہو رہا تھا لیکن حناء نے جلد ہی خود پر قابو پا لیا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا۔" وہ ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے بولی۔ "تم مجھے میری مرضی اور خواہش کے خلاف اپنا پابند نہیں رکھ سکتے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں چلتا ہوں۔" یونس صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

"ٹھہر جاؤ یونس۔" حناء نے جلدی سے کہا۔ "میں شمشاد سے اس مسئلے پر خود بات کرنا چاہتی ہوں۔ اس وقت اس کی اچانک آمد نے میرے لیے گفتگو کرنا زیادہ آسان بنا دیا ہے۔ اسے بھی معلوم ہو گیا ہے کہ اگر میرے دل میں کبھی اس کے لیے کوئی جگہ تھی بھی تو وہ اب نہیں رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ایسی صورت میں یہ مجھے آسانی سے طلاق دے دے گا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے مجھے ابھی تک نہیں سمجھا حنا۔" شمشاد کا لہجہ بڑا تلخ تھا۔ "میں سب کچھ اپنی دل بستگی اور اپنے شوق کے لیے کرتا ہوں۔ تمہاری حیثیت میرے نزدیک ایک خوب صورت کھلونے سے زیادہ نہیں ہے۔ جسے میں نے اپنا دل بہلانے کے لیے خریدا ہے۔ کوئی کھلونوں سے ان کی مرضی معلوم نہیں کرتا۔ تمہیں پسند ہو یا نہ ہو لیکن جب تک خود میرا دل تم سے نہ اکتا جائے تم اس سنہری قید سے آزاد نہیں ہو سکتیں۔"

"یہ تمہاری بھول ہے۔" حنا نے جواب دیا۔ "ملک میں فیملی کورٹ اسی لیے قائم کی گئی ہیں۔ کہ مجھ جیسی مظلوم عورتیں تم جیسے ظالموں کے پنجے سے رہائی حاصل کر سکیں۔"

"تم...... مظلوم۔" شمشاد نے ایک قہقہہ بلند کیا۔ "غالباً یہ آج کا سب سے بڑا لطیفہ ہے۔ بہر حال اس غلط فہمی کو دل سے نکال دو کہ میں تمہیں اپنا خاص نجی اور ذاتی مسئلہ عدالت تک لے جانے کی اجازت دوں گا۔ میں معاملات نمٹانے کے لیے کسی عدالت کا محتاج نہیں ہوں۔"

"میں بھی یہ ہی مشورہ دوں گا کہ افہام و تفہیم سے کام لینا چاہیے۔" یونس جلدی سے بولا۔ "خود کو دنیا کے سامنے تماشا بنانے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

"تم اپنی چونچ بند رکھو۔ تم سے بعد میں بات کروں گا۔"

"بہتر ہے تو پھر میں چلتا ہوں۔ جب آپ لوگ کسی فیصلے پر پہنچ جائیں تو مجھے بتا دیں۔"

"کسی فیصلے پر پہنچنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ میں طے کر چکی ہوں۔"

"تم اپنے دفتر کس وقت پہنچتے ہو۔" شمشاد حناء کی بات نظر انداز کرتے ہوئے یونس سے مخاطب ہوا۔

"اگر اس مسئلہ پر کوئی بات کرنا ہے۔ تو

www.paksociety.com

دفتر کے بجائے گھر زیادہ بہتر رہے گا۔'' یونس نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے تمہارا گھر بھی میں نے دیکھا ہے۔ میں آج شام آٹھ بجے تمہارے گھر آؤں گا۔''

''آج کے بجائے کل کی شام رکھیں۔''

''لیکن تم یونس سے کیا بات کرو گے۔''

حناء بولی۔ ''اصل مسئلہ میرا اور تمہارا ہے۔''

''اصل مسئلہ صرف میرا ہے۔ میں اسے کس طرح حل کرسکتا ہوں۔ اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں۔'' شمشاد نے بات کاٹی اور پھر یونس کی طرف دیکھا' اب تم دفع ہوجاؤ میں کل شام ساڑھے آٹھ بجے تمہارے گھر آؤں گا۔''

یونس جو پہلے سے ہی اڑنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ یہ سنتے ہی چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گیا۔

''ایک بات اچھی طرح سمجھ لو حناء۔'' شمشاد نے بظاہر بڑے نرم اور پرسکون لہجے میں کہا۔ ''میں کسی کے سامنے جھکنے کا عادی نہیں ہوں۔ جس کھلونے سے خود نہ کھیلوں اسے توڑ دیا کرتا ہوں۔''

حناء نے اتنی دیر میں پہلی مرتبہ خوف محسوس کیا۔ سردی کی ایک لہر سی اس کے رگ وپے میں اترتی چلی گئی تھی۔ اسے شمشاد کو دیکھنے اور سمجھنے کا زیادہ موقع نہیں ملا تھا۔ مگر اتنی بات بہرحال جانتی تھی کہ وہ اس لب ولہجے سے بات کرتا ہے تو اپنے مخاطب کے حق میں سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

☆☆

دلاور خان باہر جانے کے لیے لباس تبدیل کرنے کے بعد آئینے کے سامنے کھڑا بال درست کر رہا تھا کہ کال بیل نے کسی ملاقاتی کے آنے کا اعلان کیا۔ اس وقت کسی کی آمد متوقع نہیں تھی۔ یوں بھی اس کے پاس آنے والے عموماً شام یا رات کو آیا کرتے تھے اور اس وقت صبح کے صرف ساڑھے نو بجے تھے۔ کنگھے کو واپس برش میں لگاتے ہوئے وہ دروازے کی طرف چلا۔ گھنٹی ایک بار پھر بجائی گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کا ملاقاتی یا تو بہت عجلت میں ہے یا پھر اس کے دروازے پر اپنا دیکھا جانا پسند نہیں کرتا اور یہ بھی کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں تھی۔ جو لوگ اسے یا اس کے کام کی نوعیت جانتے تھے عام طور پر یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی ان کے اور دلاور خان کے تعلقات کے بارے میں واقف ہو۔

اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

اس کے سامنے پچیس چھبیس سال کی ایک بہت ہی خوب صورت سفید ساڑھی باندھے ایک لڑکی کھڑی تھی۔ چہرے پر فکرمندی' پریشانی اور انداز سے گھبراہٹ نمایاں تھی۔ ایسی گھبراہٹ جس میں خوف کی آمیزش ہوا کرتی ہے۔ لڑکی نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس طرح جیسے اسے پرکھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

''آپ...... آپ کا نام دلاور خان ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''جی ہاں...... لوگ مجھے اسی نام سے جانتے ہیں۔'' دلاور خان نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا میں اندر آسکتی ہوں۔''

''ضرور۔'' دلاور خان ایک طرف ہٹ گیا۔

لڑکی اندر داخل ہوئی اور خود ہی گھوم کر دروازے کے پٹ بھیڑ دیے۔ اس وقت دلاور خان نے پہلی مرتبہ دیکھا کہ لڑکی کے بائیں شانے پر ایک سفید رنگ کا خوب صورت پرس لٹک رہا ہے۔ اس کا اسٹریپ بھی سفید ہی تھا۔ اس لیے ہی شاید وہ' سفید ساڑھی کے ساتھ لٹکے ہوئے پرس کو پہلی نظر میں نہیں دیکھ سکا تھا۔

''آیئے' اس طرف آجایئے۔'' دلاور خان نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ لڑکی کو ساتھ لیے ہوئے اس کمرے میں آیا' جسے وہ اس طرح کی ملاقاتوں میں استعمال کرتا تھا۔

''تشریف رکھیے۔'' دلاور خان نے لڑکی کو کرسی پیش کی اور پھر خود میز کے دوسری طرف جا کر اپنی مخصوص نشست پر بیٹھ گیا۔

''میرا نام نرگس ہے۔'' لڑکی نے بتایا۔ ''اس میں تھری فلاور کلب میں رقص وموسیقی کے پروگرام پیش کرتی ہوں۔''

وہ کرسی کے کنارے پر اس طرح بالکل سیدھی بیٹھی تھی۔ جیسے کسی بھی لمحے اٹھ کر چلی جائے گی۔ تھری فلاور کلب شہر کا ایک خاصا مقبول کلب تھا۔ جہاں لوگوں کو ہلکی پھلکی تفریح۔ دلچسپ انڈور گیم اور لذیذ کھانے ومشروبات فراہم کیے جاتے تھے اور اس کا مالک اس قدر قانون پسند تھا کہ کھلی یا چھپی کسی نوعیت کی بدعنوانی کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی شہرت بہت اچھی تھی اور متوسط یا اعلیٰ طبقہ کے شرفاء عموماً اپنی شام وہاں گزارنا پسند کرتے تھے۔

میں نے قریشی صاحب سے آپ کا ذکر سنا تھا۔'' نرگس کہہ رہی تھی۔

دلاور خان کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک پیدا ہوئی' قریشی صاحب شہر کے ایسٹ زون میں ڈی ایس پی تھے۔ بہت شاطر' چالاک اور ذہین پولیس آفیسر تھا۔

کافی محنت اور جدوجہد یا واضح الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ بڑی جوڑ توڑ کے بعد اپنے موجودہ منصب تک پہنچا تھا۔ دوسرے کئی سول اور پولیس حکام کی طرح اس کے دلاور خان سے بڑے بے تکلفانہ تعلقات تھے۔ اگرچہ دلاور خان جانتا تھا کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے۔ جو ضرورت پڑنے پر اپنے فائدے کے لیے ہر قسم کے تعلقات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

''بہت خوب۔'' دلاور آہستہ سے مسکرایا۔ ''قریشی صاحب بہت دوست نواز آدمی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ انہوں نے میرا ذکر اچھے الفاظ ہی میں کیا ہوگا۔''

''وہ آپ کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ آپ بہت ذہین نڈر اور پرجوش نوجوان ہیں۔ کئی مرتبہ مجرموں کی سرکوبی میں آپ نے پولیس کی مدد کی ہے۔''

''قریشی صاحب سے ملاقات ہوئی تو اس اچھی رائے کے لیے ان کا شکریہ ضرور ادا کروں گا۔''

''انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ خطرناک سے خطرناک مجرموں سے بے خوف وخطر بھڑ جاتے ہیں۔ لوگوں کی مشکل میں ان کے کام آتے ہیں۔ اور انہیں غنڈوں وبدمعاشوں سے تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ اگر وہ کسی طرح کے پریشان کن حالات میں گھر جائیں تو ان کی مدد کرتے ہیں۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ قریشی صاحب نے بہت مبالغہ سے کام لیا ہے۔'' دلاور خان نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''بہرحال آپ فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔''

''خان صاحب میں ایک عجیب اور خطرناک مشکل میں پھنس گئی ہوں۔ نرگس نے قدرے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ ''حالانکہ میں نے اپنی ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ کسی کے کہنے پر کسی کی مدد کی تھی لیکن اب مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے میں نے ایک سنگین غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ میں سمجھتی ہوں کہ میری زندگی خطرے میں ہے۔ کوئی مجھے قتل کرنا چاہتا ہے' کیا آپ میری مدد کرسکتے ہیں۔''

''پہلے تو آپ یہ بتایئے کہ کیا آپ کو میرے پاس آنے کا مشورہ قریشی صاحب نے دیا ہے۔'' دلاور خان نے پوچھا۔

”جی بالکل نہیں۔“ نرگس نے جلدی سے کہا۔ ”آپ کا ذکر انہوں نے کافی دن پہلے کسی اور سلسلے میں کیا تھا۔ بات مجھے یاد رہ گئی اور جب میں نے خود کو خطرے میں محسوس کیا تو قدرتی طور پر آپ کا نام ذہن میں ابھرا۔“

”جی نہیں قدرتی طور پر آپ کے ذہن میں پولیس بلکہ قریشی صاحب کا نام ابھرنا چاہیے تھا۔“ دلاور نے جواب دیا۔ ”اگر کوئی شہری اپنی زندگی خطرے میں محسوس کرتا ہے تو یہ پولیس کا فرض ہے کہ تحفظ فراہم کرے۔ آپ اپنی یہ پریشانی لے کر قریشی صاحب کے پاس کیوں نہیں گئیں۔ وہ آپ کی زیادہ بہتر طور پر مدد کرسکتے ہیں۔“

”میں اس کی وجہ آپ کو بتاؤں گی لیکن پہلے آپ میرے سوال کا جواب دیں۔ کیا آپ میری مدد کریں گے۔“

”مجھے مدد کرنے میں کوئی اعتراض نہیں۔“ دلاور خان نے جواب دیا۔ ”لیکن اس کا فیصلہ تمام حالات سننے کے بعد کرسکتا ہوں۔“

”میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔ کیا آپ زحمت کرکے آج شام میرے گھر تشریف لاسکیں گے۔“ نرگس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”کیا آپ یہاں بات نہیں کرسکتیں۔“

”نہیں میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتی اور جو بات آپ کو بتانا ہے۔ اس کی تفصیل خاصی طویل ہوسکتی ہے۔“

”میں کوئی وعدہ۔“

”اگر آپ اپنی فیس کے خیال سے ہچکچا رہے تو یقین رکھیں کہ جتنی رقم مانگیں گے ادا کر دوں گی۔“

”بات فیس کی نہیں تھی۔“ دلاور خان نے کہا۔ ”بہرحال آپ مصر ہیں تو میں شام کو حاضر ہوجاؤں گا۔“

”شکریہ۔“ نرگس نے ایک کاغذ دلاور خان کی طرف بڑھا دیا۔ ”اس پر میرا نام پتا لکھا ہے۔ میں آٹھ اور نو کے درمیان آپ کا انتظار کروں گی۔“

اتنا کہہ کر نرگس جواب کا انتظار کیے بغیر کمرے سے نکل گئی۔ دلاور اس کے پیچھے چلا لیکن جب تک وہ کمرے سے باہر آیا نرگس جاچکی تھی۔ وہ دوبارہ بیڈ روم میں جانے کا ارادہ کررہا تھا۔ کہ اس کی نگاہ اس کرسی پر پڑی جس پر نرگس بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ چونک گیا کرسی پر نرگس کا سفید پرس دور سے ہی نظر آرہا تھا۔ دلاور نے دلچسپی کے ساتھ اسے اٹھایا کھولا اندر ایک پھولا ہوا لفافہ تھا اور کچھ نہیں لفافے پر چند سطریں لکھی تھیں۔

”یہ ایک لاکھ روپے ہیں۔ انہیں اپنی فیس کا ایڈوانس سمجھیں۔“

”امید ہے کہ اب شام کو تشریف لانے میں کوئی امر مانع نہ ہوگا۔ نرگس۔“

دلاور نے لفافہ کھول کر دیکھا۔ اندر سے کرارے کرنسی نوٹ بھرے ہوئے تھے۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ اب وہ صرف جانا ضروری ہوگیا تھا۔ بلکہ کچھ ابتدائی تحقیقات بھی اس نے سابقہ پروگرام کسی دوسرے مناسب موقع کے لیے ملتوی کردیا اور گھر سے نکل کر پولیس ہیڈ کوارٹر روانہ ہوگیا۔

☆☆

”صبح ایک کالی بلی میرا راستہ کاٹ گئی تھی۔“ ڈی ایس پی قریشی صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”اور مجھے یقین ہوگیا تھا کہ آج ضرور کوئی نہ کوئی مصیبت آنے والی ہے اب دیکھ لو تم نازل ہوگئے ہو۔“

”پتا نہیں اس بیچاری بلی کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ جس کا رستہ تم نے کاٹا تھا۔“ دلاور خان نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بڑی بے تکلفی سے قریشی کے سامنے پڑا ہوا سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر اٹھا لیا۔

”تم تو صرف ایک ہی برانڈ کا سگریٹ پیتے ہو۔“

”وہی پی رہا ہوں۔“ دلاور خان نے سگریٹ سلگاتے ہوئے جواب دیا۔

”لیکن یہ وہ برانڈ تو نہیں ہے۔“

”میں نے برانڈ تبدیل کردی ہے۔“

”کب سے۔“

”بس ابھی سے۔“ خان نے دھواں اڑاتے ہوئے کہا۔ ”تم رقاصہ نرگس کو جانتے ہو۔ وہ تھری فلاور کلب میں پروگرام کرتی ہے۔“

”بھابی نرگس کہو۔“ قریشی نے آنکھ ماری۔ ”میں عنقریب اس سے شادی کرنے والا ہوں۔“

”اور نیرہ بیگم کا کیا ہوگا۔“

”کون...... وہ رپورٹر۔“ قریشی نے منہ بنایا۔ ”مجھے مردوں کے پیچھے بھاگنے والی عورتیں پسند نہیں۔“

”اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھڑا سکو گے۔ وہ بڑی مرد مار عورت ہے۔“

”ہوگی۔“ قریشی نے لاپروائی سے کہا پھر بولا۔ ”مگر نرگس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے تھے۔“

”وہ میرا اپنا کیس ہے۔“

”پھر اس سے دست کش ہوجائے۔“

”کیوں۔“

”اول اس لیے کہ اس کے مفادات کی حفاظت کے لیے میں کافی ہوں۔ دوسرے اس لیے کہ وہ قتل کی جس واردات میں ملوث ہے اس کی تحقیقات انسپکٹر دستگیر کررہا ہے اور وہ تم سے بہت الرجک ہے۔“

”قتل کی واردات۔“ دلاور خان چونکا۔

”کون قتل ہوا ہے۔“

”گویا تم نہیں جانتے۔“

”کیا مجھے جاننا چاہیے۔“ دلاور خان نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

”اگر بقول تمہارے نرگس تمہاری موکلہ ہے تو ضرور جاننا چاہیے۔“

”میری ابھی اس سے تفصیلی گفتگو نہیں ہوئی ہے۔“ دلاور خان نے کہا۔ ”تم نے بتایا نہیں کہ کون قتل ہوا ہے۔“

”گرین لینڈ تھیٹر کا مالک اور پروڈیوسر یونس۔“ قریشی نے جواب دیا۔

”یہ کب کی بات ہے۔“

”گزشتہ ہفتے کی۔“

”ٹھیک ہے۔ میں ان دنوں شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ مجھے کچھ تفصیل بتا سکتے ہو۔“

”تم نے فیروز نگر کے مشہور صنعت کار سیٹھ شمشاد بیگ کا نام سنا ہے۔“ قریشی نے پوچھا۔

”کچیش مل کے مالک۔“

”ایک یہ کہ اور بھی کئی ملیں اور فیکٹریاں اس کے سرمائے سے چل رہی ہیں کروڑپتی آدمی ہے۔“ قریشی نے بتایا۔ ”اب تک تین بیویوں کو قبر میں اتار چکا ہے۔ کوئی دو برس ہوئے اس نے ایک بی کلاس فلم ایکٹریس سے شادی کی تھی۔“

”میں نے تم سے یونس کے بارے میں پوچھا تھا اور تم سیٹھ شمشاد کی داستان لے کر بیٹھ گئے۔“

”مجھے بات تو پوری کرنے دو۔ وہ ہی بتا رہا ہوں۔“ قریشی نے کہا۔ سیٹھ شمشاد کی موجودہ نوجوان اور خوب صورت بیوی کا نام حیا ہے۔ وہ شادی سے پہلے فلم اور اسٹیج پر کام کرتی تھی اور غالباً اسی زمانے سے اس کے یونس سے تعلقات تھے۔ سیٹھ شمشاد کی دولت دیکھ کر اس نے شادی تو کرلی اور ممکن ہے خلوص سے نباہنے کی کوشش بھی کی ہو لیکن سیٹھ شمشاد شاید اس کے جذبات کی تسکین نہیں کرسکا۔ وہ ایک بار پھر یونس کی طرف مائل ہوگئی۔ وہ دونوں چھپ چھپ کر ملنے لگے۔

سیٹھ صاحب کی عدم موجودگی میں گھر پر اور موجودگی میں گھر سے باہر لیکن ایک دن سیٹھ صاحب نے انہیں اپنے گھر کے ڈرائینگ روم میں پکڑ لیا۔

وہ بہت ٹھنڈے دل و دماغ کا بہت مستقل مزاج آدمی تھا۔ اس نے بنگلے پر کوئی ہنگامہ نہیں کیا اور یونس سے کہا کہ وہ دوسرے دن یعنی بدھ کی شام کو اس کے گھر آ کر اس مسئلے پر بات کرے گا۔ یونس نے آمادگی کا اظہار کیا اور رخصت ہو گیا۔ بدھ کی شام ساڑھے آٹھ بجے سیٹھ شمشاد بیگ اس کے فلیٹ پہنچا جو کہ نوری گھر کی ایک نوتعمیر پانچ منزلہ پلازہ کی آخری منزل پر واقع تھا۔ فلیٹ میں بجلی جل رہی تھی۔ اس سے سیٹھ شمشاد بیگ نے اندازہ لگایا کہ یونس اندر موجود ہے۔ برسبیل تذکرہ یہ بھی بتاتا چلوں کہ یونس فلیٹ میں تنہا رہتا تھا۔ سیٹھ نے پہلے برقی گھنٹی بجائی مگر کوئی جواب نہیں ملا پھر اس نے کئی بار دستک دی لیکن جواب میں خاموشی طاری رہی۔

اس کا بیان ہے کہ کیونکہ میں ایک اہم مسئلے پر بات کرنے آیا تھا اور جلد سے جلد اسے طے کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے واپس جانا پسند نہیں کیا۔ کوئی جواب نہ ملنے پر اس نے دروازے کے ہینسی قفل پر نظر ڈالی اور اس وقت اسے پہلی مرتبہ قفل میں ایک چابی دکھائی دی۔ اس نے چابی کو ہاتھ لگائے بغیر دروازے کا ہینڈ گھمانے کی کوشش کی مگر وہ مقفل تھا۔ اسے کچھ شبہ ہوا وہ بہت محتاط طبیعت اور دور اندیش آدمی ہے۔ اس نے سوچا کہ غالباً یونس نے اسے کسی جال میں پھانسنے کی کوشش کی ہے۔ اس صورت میں وہ قابل اعتبار گواہ کے بغیر فلیٹ میں داخل ہونا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے مجھے فون کیا۔

''تمہیں فون کیا۔'' دلاور خان نے دلچسپی سے پوچھا۔ ''وہ کیوں میرا مطلب ہے تمہیں ہی کیوں۔''

''میرے سیٹھ شمشاد سے اچھے مراسم ہیں۔'' قریشی نے بتایا۔ ''اس کے علاوہ محکمہ پولیس میں آنے سے پہلے میں تقریباً چھ سات ماہ اس کی ایک فیکٹری میں بھی کام کر چکا ہوں۔ وہ مجھے قابل اعتبار خیال کرتا ہے پھر چونکہ میرا تعلق محکمہ پولیس سے بھی ہے اس لیے اس نے مجھ سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔''

''پھر تم نے اسے کیا مشورہ دیا۔''

''مشورہ دینا کیا معنی ساری باتیں سن کر میں خود وہاں پہنچ گیا۔''

''گویا سیٹھ نے تمہیں یہ بھی بتا دیا کہ وہ کس مقصد کے لیے وہاں گیا تھا۔''

''ہاں۔'' سرسری انداز میں قریشی نے جواب دیا اور سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے بولا۔ ''میں وہاں تقریباً نو بجے پہنچا ابھی وہاں پہنچا ہی تھا کہ ایک عورت کو زینہ سے اوپر آتے دیکھا۔ جانتے ہو وہ عورت کون تھی۔''

''تم ہی بتا دو۔''

''نرگس۔''

''وہ وہاں کیا کر رہی تھی۔''

''میں نے بھی اس سے یہ ہی سوال کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ اسے یونس نے فون کر کے بلایا تھا۔ وہ اسے اپنے آئندہ ڈرامے میں رقاصہ کا کردار دینا چاہتا تھا۔''

بہر حال میں نے خود دروازے پر دستک دی گھنٹی بجائی اور جب کوئی جواب نہ ملا تو پہلے بہت احتیاط سے اس طرح کہ اگر چابی پر انگلیوں کے کچھ نشانات ہوں تو ضائع نہ ہوں اسے قفل سے نکال کر ایک کاغذ میں لپیٹ کر جیب میں رکھ لیا اور پھر بلڈنگ کے نگراں کو بلا کر اس کی محفوظ چابی کی مدد سے دروازہ کھولا اور اندر پہنچا۔ یونس اپنے ڈرائینگ روم میں فرش پر قتل ہوا پڑا تھا اور پورے کمرے میں پھیلی ہوئی بے ترتیبی اور بد نظمی ظاہر کر رہی تھی کہ اس کی اپنے قتل سے پہلے کافی

جدوجہد ہوئی ہے۔ کسی نے اس کے سینے میں ایک تیز دھار چاقو اتار دیا تھا۔ میں نے فوراً انسپکٹر دستگیر کو فون کیا کہ وہ ضروری عملے اور ایک ایمبولینس کے ساتھ وہاں پہنچے۔''

''پھر اس کی تحقیق سے کیا معلوم ہوا۔''

''پولیس سرجن کی رپورٹ کے مطابق یونس کی موت شام ساڑھے سات اور ساڑھے آٹھ بجے کے درمیان ہوئی چاقو سیدھا دل میں اتر گیا تھا۔ اس لیے اسے تڑپنے کی مہلت بھی نہ ملی ہوگی چاقو کے دستہ یا اس کے پھل پر کسی قسم کا کوئی نشان نہیں ملا۔ یوں لگتا تھا۔ جیسے بعد میں اسے کسی رومال سے صاف کر دیا گیا ہو۔ کمرے میں مختلف افراد کی انگلیوں کے نشانات موجود تھے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی سیٹھ شمشاد یا نرگس کا نہیں تھا۔ کمرے میں اور خود یونس کے جسم اور جیبوں میں کئی قیمتی چیزیں موجود تھیں۔ جنہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ قتل کا مقصد کوئی مالی فائدہ حاصل کرنا نہیں تھا۔ بلڈنگ میں کسی نے بھی نہ سیٹھ شمشاد کو اندر جاتے دیکھا تھا۔ نہ نرگس کو نہ کسی شور اور ہنگامے کی آوازیں سنیں۔

بدقسمتی سے یونس کے برابر والے فلیٹ کے لوگ کچھ دنوں کے لیے کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ اس لیے قاتل و مقتول کے درمیان جو کشمکش ہوئی اسے دیکھنے یا سننے والا کوئی نہیں تھا۔ فلیٹ کے قفل میں جو چابی لگی پائی گئی تھی۔ وہ اسی قفل کی تھی۔ اور اس کے دونوں جانب بڑے واضح طور پر نرگس کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے تھے۔ بائیں طرف انگوٹھے کا اور دائیں جانب انگلی کا جب کہ نرگس کا بیان ہے کہ وہ یونس سے ذاتی طور پر واقف نہیں تھی اور پہلی مرتبہ ہمارے سامنے وہاں پہنچی تھی۔ نہ اس کے پاس یونس کے فلیٹ کی کوئی چابی تھی۔ اور نہ کسی بھی وقت کسی بھی چابی سے فلیٹ کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی۔''

''پھر چابی پر اس کی انگلیوں کے نشانات کیسے آ گئے۔'' دلاور خان نے کہا۔

''صاف ظاہر ہے کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔'' قریشی نے جواب دیا۔ ''مگر کیوں بول رہی ہے۔ قتل سے اس کا کیا تعلق ہے یا نہیں۔ وہ سچ مچ ہمارے سامنے ہی آئی تھی یا نہیں یا اس سے پہلے بھی آ چکی تھی اور اگر اس نے یونس کو قتل کیا ہے تو اس کا مقصد کیا تھا۔ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا پولیس اب تک کوئی تسلی بخش جواب حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔''

''وہ چابی کس کی تھی۔'' دلاور خان نے کہا۔

''ابھی تک یہ یقینی طور پر واضح نہیں ہو سکا۔'' قریشی نے بتایا۔ بلڈنگ کے مالک کی طرف سے ہر کرایہ دار کو چابیوں کے دو سیٹ دیے جاتے ہیں۔ مگر اس کی ایک یا ایک سے زیادہ نقلیں بنوانا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ یونس کے فلیٹ کی تلاشی میں بیرونی دروازے کی صرف ایک چابی مل سکی۔ جس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسری چابی یا تو گم ہو گئی تھی یا یونس نے خود کسی کو دی تھی۔

دوسری طرف سیٹھ شمشاد کی بیوی حماد کھلے بندوں اعتراف کر چکی ہے کہ یونس نے اپنے اپنے فلیٹ کے بیرونی دروازے کی چابی دی تھی جو کہ اس کے پاس سے چوری ہو گئی۔ اتنا ہی نہیں اس سے بڑھ کر یہ بھی کہتی ہے کہ اس کی چابی سیٹھ شمشاد نے چرا لی۔ ملاقات کے مقررہ وقت سے پہلے یونس کے فلیٹ پر پہنچا۔ چابی سے دروازہ کھولا تا کہ اپنے رقیب کو بے خبری میں ٹھکانے لگا دے لیکن یونس اس کی آمد سے آگاہ ہو گیا۔ دونوں میں لڑائی ہوئی اور انجام کار سیٹھ شمشاد نے یونس کو قتل کر دیا اور یہ کہ دروازے میں جو چابی لگی پائی گئی تھی وہ اس کی تھی۔''

"لیکن اس صورت میں اس پر نرگس کی انگلیوں کے نشانات کس طرح آئے۔" دلاور نے اعتراض کیا۔

"کچھ نہیں کہا کہ کیسے آئے۔" قریشی نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔ "یہ بھی ممکن ہے کہ دروازے کی ایک تیسری چابی بھی ہو جو کہ پولس نے نرگس کو دے رکھی ہو۔"

"گویا وہ ایک وقت میں حنا اور نرگس دونوں سے محبت کا ڈرامہ کھیل رہا تھا۔"

"اس کا امکان بھی ہے لیکن جیسا کہ میں نے کہا کہ اس کیس میں ابھی تک یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ سارے معاملات ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئے ہیں اور اس طرح الجھے ہوئے ہیں کہ سچ کا پتا لگانا تقریباً ناممکن ہے۔"

"پھر انسپکٹر دستگیر نے کسی کو گرفتار کیا۔"

"کس طرح کر سکتا ہے۔" قریشی نے کہا۔ "سیٹھ شمشاد کے پاس مقصد قتل موجود ہے۔ وہ خود بھی موقع واردات پر موجود تھا لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ اس نے فلیٹ میں پہنچ کر پولس کو قتل کیا ہوگا۔ اس کے برعکس اس چابی نے اس کے حق میں ایک ایسی دلیل فراہم کی ہے۔ جسے کسی طرح رد نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری طرف نرگس کے معاملہ میں تو مقصد قتل موجود نہیں اگرچہ چابی اسے فلیٹ میں داخل کرنے کا موقع فراہم کر دیتی ہے پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک عورت ہوتے ہوئے پولس سے کس طرح لڑ سکتی تھی یا کس طرح اس پر قابو پا سکتی تھی۔ ہم دونوں میں سے کسی کے خلاف بھی مقدمے لے کر عدالت میں نہیں جا سکتے۔ کوئی عام وکیل بھی ایک دو پیشیوں میں پولیس کیس کے تاروپود بکھیر کر اپنے موکلوں کو آزاد کرا سکتا ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے۔ جیسے یہ کیس بھی ان بے شمار وارداتوں میں شامل ہو جائے گا۔ جنہیں آج تک حل نہیں کیا جا سکا۔"

"اور یہ تمہارے لیے بہترین صورت حال ہے۔" دلاور مسکرایا۔

"کیا مطلب۔"

"یہی کہ ایک طرف تمہارا دوست ہے۔ اور دوسری طرف تمہاری متوقع بیوی اور دونوں کا قانون کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"سچ ہے لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ قاتل ان دو کے علاوہ کوئی تیسری ہی شخصیت ہو۔" قریشی نے کہا۔ "اسی لیے دستگیر سے کہا ہے کہ سردست وہ اپنی تحقیق کو جاری رکھے۔"

"اچھا دوست۔" دلاور خان کھڑا ہو گیا۔ "ان معلومات کا شکریہ فی الحال تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے میری موکلہ کے لیے خطرے کی کوئی بات نہیں اس لیے ہو سکتا ہے کہ میں تمہارا مشورہ مانتے ہوئے اسے سچ مچ تمہارے ہی رحم و کرم پر چھوڑ دوں۔"

اتنا کہہ کر وہ جھکا سگریٹ کے پیکٹ سے ایک سگریٹ اور نکالا اور اسے ہونٹوں میں دبا کر بغیر سلگائے ہی کمرے سے باہر نکل گیا۔ قریشی اسے کچھ ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے کوئی استاد کلاس کے سب سے شریر طالب علم کو دیکھا کرتا ہے۔ جس پر اس کی ڈانٹ ڈپٹ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

دلاور خان ایک پراسرار آدمی تھا۔ جس کے بارے میں مختلف اور متضاد افواہیں پھیلی ہوئی تھیں اور پھیلتی رہتی تھیں۔ مگر کوئی آج تک ان افواہوں کو جھوٹ ثابت کر سکا تھا اور نہ سچ یہاں تک کہ خود دلاور خان بھی کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے۔ یا کہاں سے آیا ہے اب سے چار پانچ برس پہلے بس اچانک ہی دارالحکومت فیروز نگر میں اس کا چرچا شروع ہو گیا کہ دراصل وہ دلیر خان ہے۔ جس نے دس گیارہ سال تک پولیس کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ ایک مقابلہ میں شدید جنگ کے بعد جب وہ زخمی ہو کر اپنی کار میں فرار ہوا تو اس کی کار ایک پہاڑی سڑک سے پھسل کر گہرے کھڈ میں گر گئی۔ کار نے گرتے گرتے آگ پکڑ لی تھی اور جب تک پولیس موقع پر پہنچے وہ جل کر راکھ ہو چکی تھی۔ جلی ہوئی کار میں ایک سر سے پیر تک کوئلہ لاش پائی گئی۔ جس کی انگلی میں دلیر خان کی انگوٹھی دیکھ کر اسے دلیر خان کے ہلاک ہونے کی خبریں بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ شائع کیں۔

لیکن درحقیقت وہ لاش دلیر کی نہیں ایک مسافر کی تھی۔ جسے اس نے راستے میں کار میں بٹھا لیا تھا۔ معلوم نہیں کن مصلحتوں کی وجہ سے دلیر خان نے اپنی موت کی خبر کی کوئی تردید نہیں کی تھی اور پانچ چھ سالوں کے لیے بالکل گوشہ گمنامی میں چلا گیا اور اب پھر آخر کار دلاور خان کے روپ میں نمودار ہوا۔

اب وہ پہلے کی طرح ڈاکے نہیں ڈالتا تھا۔ مگر کیا کرتا ہے۔ یہ بھی کوئی یقین نہیں کر سکتا ہے۔ بظاہر اس نے مجرموں کے خلاف ایک عجیب جنگ شروع کر رکھی ہے۔ اور ایک گراں قدر فیس کے بدلے غنڈوں اور بدمعاشوں سے تحفظ فراہم کیا کرتا ہے۔ اس کے برعکس کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ پیشہ ور قاتل بن گیا ہے اور دولت مند لوگ اپنے دشمنوں کو راہ سے ہٹانے کے لیے اس کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہے۔ جو اسے کسی غیر ملکی حکومت کا جاسوس خیال کرتے تھے۔ شروع شروع میں پولیس نے ان افواہوں کی بنیاد پر اس کے خلاف بڑی سرگرمی سے تحقیقات کی۔

دلیر خان ڈاکو کا کوئی فوٹو، کوئی حلیہ، کوئی نشان انگشت، پورے ملک میں کسی بھی جگہ پولیس کے ریکارڈ میں موجود نہیں تھا۔ اس لیے ظاہر تھا کہ پولیس یہ ثابت نہیں کر سکتی تھی کہ وہ دلیر خان ڈاکو ہے یا نہیں۔ جن لوگوں کو اتفاق سے بھی دلیر ڈاکو کو دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ان کا زیادہ سے زیادہ بیان یہ تھا کہ دلاور خان میں تھوڑی بہت مشابہت ضرور موجود ہے اور اس کی عمر اتنی ہی ہے۔ جتنی گیارہ سال گزارنے کے بعد دلیر خان ڈاکو کی ہو سکتی تھی لیکن وہ حلف اٹھا کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ہی دلیر خان ڈاکو ہے۔

البتہ ایک بات جس پر ساری افواہیں، سارے گواہ، سارے ثبوت و شواہد متفق تھے یہ تھی کہ دلاور خان بہترین نشانہ باز، جوڈو اور کراٹے کا ماہر اور مدافعانہ اور جارحانہ دونوں انداز جنگ میں اتنا طاق ہے کہ آج تک کوئی مجرم بھی اس پر قابو نہیں پا سکا اور یہ ہی دلاور خان اس وقت پولیس ہیڈ کوارٹر سے نکلتے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ شام کے ساڑھے آٹھ بجے رقاصہ نرگس سے ملاقات کرنے سے قبل وہ اس کے بارے میں یا اس کے خوف کے بارے میں اور کیا کیا معلومات کہاں کہاں سے حاصل کر سکتا ہے۔ ڈی ایس پی قریشی سے اس کی جو گفتگو ہوئی تھی۔ اس کی روشنی میں اس نے پہلے سیٹھ شمشاد بیگ کی بیوی حنا سے ملنے کا فیصلہ کیا۔

سیٹھ شمشاد بیگم کا خوب صورت بنگلہ ایک ماڈرن علاقے میں واقع تھا جس وقت دلاور خان بنگلے پر پہنچا۔ تو سیٹھ شمشاد اپنی مل گئے ہوئے تھے۔ دلاور خان نے ملازم کے ذریعے اس کے آنے کی اطلاع کرائی اور کہلوایا کہ وہ پولیس ہیڈ کوارٹر سے آیا ہے۔ حنا نے اسے فوراً بلا لیا۔

"آپ کوئی پولیس آفیسر ہیں۔" اس نے پوچھا۔ "کیا نام بتایا تھا۔ آپ نے اپنا۔"

"دلاور خان۔" دلاور خان نے جواب دیا۔ "میں پولیس افسر تو نہیں ہوں لیکن اکثر پولیس افسروں کو جانتا ہوں اور ان کے ساتھ مل کر مجرموں کے خلاف تحقیقات کرتا رہتا ہوں۔"

"آپ میرے پاس کیوں آئے ہیں۔"

"میں پولس صاحب کے قتل کے سلسلے میں

کچھ باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"اس میں تو معلوم کرنے کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔" حنا نے تیزی سے کہا۔ "میں انسپکٹر دستگیر سے کہہ چکی ہوں کہ یونس صاحب کو میرے شوہر شمشاد بیگ نے قتل کر دیا ہے۔ وہ بہت حاسد، غصہ ور اور انتقامی جذبات رکھنے والا آدمی ہے۔ میں نے اس سے شادی کر کے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی تھی۔ شادی سے پہلے میرے اور یونس کے بڑے اچھے مراسم تھے۔ سیٹھ شمشاد مجھے اپنی دولت کی چمک دمک سے مرعوب نہ کر لیتا تو میں ان سے ہی شادی کرتی۔ بعد میں جیسے ہی مجھے احساس ہوا کہ سیٹھ صاحب کے ساتھ میری زندگی نہیں گزر سکتی تو میں نے اس سے طلاق کا مطالبہ کیا۔ وہ میرے اور یونس کے تعلقات سے واقف تھا اس نے انتقامی غصے سے اندھا ہو کر انہیں قتل کر دیا۔"

"مگر پولیس بھی دولت مندوں سے خوف کھاتی ہے۔ سیٹھ نہ جانے کتنے بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگنے کے باوجود آزاد پھر رہا ہے میرے بیان کے باوجود پولیس اس کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیتی۔"

"کیا سیٹھ شمشاد نے آپ کے سامنے یونس کو قتل کرنے کی دھمکی دی تھی یا ارادہ ظاہر کیا تھا۔"

"ایک مرتبہ نہیں۔ کئی مرتبہ وہ صاف کہہ چکا تھا کہ اگر میں اس کے پاس نہیں رہی تو وہ مجھے کسی اور کے ساتھ بھی نہیں رہنے دے گا۔"

"یونس نے آپ کو اپنے فلیٹ کی چابی کیوں دی تھی۔"

"کیا لغو سوال ہے۔" حنا نے منہ بنایا۔ "ظاہر ہے اس لیے کہ میں جب چاہوں اس سے ملنے اس کے گھر جا سکوں۔"

"سیٹھ شمشاد کو اس کی موجودگی کا پتا تھا۔"

"پتا ہونا چاہیے۔ اگر اسے پتا نہ ہوتا تو وہ اسے میرے پاس سے کیسے چراتا۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ چابی سیٹھ شمشاد نے چرائی تھی۔ ممکن ہے وہ آپ سے گم ہو گئی ہو۔"

"فلیٹ کے دروازے کی طرف دو چابیاں تھیں۔" حنا نے جواب دیا۔ "ایک میرے پاس اور دوسری یونس کے پاس اس کی چابی فلیٹ میں مل گئی۔ پھر قفل میں جو چابی پائی گئی جو میرے پاس موجود تھی۔"

"آپ کو کب معلوم ہوا کہ آپ کی چابی آپ کے پاس موجود نہیں ہے۔" دلاور خان نے پوچھا۔

"جب پولیس نے مجھ سے اس کے بارے میں سوال کیا اور میں نے اپنے پرس میں تلاش کیا۔"

"آخری مرتبہ آپ نے وہ چابی اپنے پرس میں کب دیکھی تھی۔"

"صرف ایک دن پہلے جب میں اس سے ملنے گئی تھی۔"

"دروازے کے قفل پر جو چابی لگی ملی اس پر ایک رقاصہ نرگس کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ اگر سیٹھ صاحب نے اس چابی کو ہاتھ میں لیا ہوتا اور اس سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی ہوتی تو چابی پر ان کی انگلیوں کے نشانات ہونا چاہیے تھے۔ پھر آپ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ یہ قتل اس نے کیا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم کہ چابی پر نرگس کی انگلیوں کے نشانات کیسے آئے لیکن اتنا جانتی ہوں کہ سیٹھ شمشاد بہت چالاک آدمی ہے۔ وہ جس طرح کے حالات چاہے پیدا کر سکتا ہے یقیناً اس میں اس کی کوئی شرارت ہے۔"

حنا سے رخصت ہو کر دلاور خان نے گیتش مل جا کر شمشاد بیگ سے ملاقات کی مگر اس ملاقات کا کوئی فائدہ نہیں ہوا سیٹھ شمشاد نے اس

موضوع پر کھل کر بات نہیں کی۔ اپنے بارے میں وہی کچھ کہا جو دلاور خان کو قریشی سے معلوم ہو چکا تھا۔ اس نے پرزور الفاظ میں تردید کی کہ یونس کے قتل سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ وہ اس کے فلیٹ میں داخل ہی نہیں ہوا۔ جب اس سے حناء کے الزام کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے بڑے ترش لہجے میں جواب دیا کہ حناء ایک ناقص العقل عورت ہے۔ اگر کسی کو اس کے بیان پر اعتبار ہے تو پھر میرے خلاف قتل کا الزام ثابت کرے۔

بات ٹھیک تھی۔ دلاور خان خاموشی سے اس کے آفس سے باہر نکل آیا۔

گھر واپس جا رہا تھا۔ کہ ایک اخبار کی عمارت کے باہر نیرہ بیگم کھڑی نظر آ گئیں یہ ملک کا خاصا مقبول اور مشہور روزنامہ تھا اور نیرہ بیگم اس کی سینئر رپورٹر تھی۔ قد آور اور صحت مند گٹھے ہوئے جسم کی مالک اور بڑی دبنگ قسم کی عورت واقع ہوئی تھی۔ خدوخال جاذب نظر تھے مگر ان سے زنانہ نزاکت کے بجائے۔ مردانہ کرختگی کا اظہار ہوتا تھا۔ قریشی صاحب سے ان کے تعلقات کافی پرانے تھے اور دونوں کے حلقہ احباب میں یہ تاثر پایا جاتا تھا کہ جلد یا بدیر وہ آپس میں شادی کر لیں گے۔ دلاور خان نے اپنی سیکنڈ ہینڈ مزدا کار ایک سائیڈ پر کھڑی کر دی اور اتر کر نیرہ بیگم کے پاس پہنچا۔

"ہیلو کامریڈ کیا ہو رہا ہے۔" اس نے قریب آتے ہوئے کہا۔ نیرہ ایک حد تک کمیونسٹ خیالات رکھتی تھی۔ اس لیے دلاور خان اسے عموماً کامریڈ کہتا تھا۔

"کچھ نہیں ذرا کافی پینے کے خیال سے نکلی تھی۔"

"بس تو پھر آؤ۔ کافی کی دعوت میری طرف سے رہی۔"

"کیا بات ہے۔" نیرہ نے اسے غور سے دیکھا۔ "تم ہمیشہ دوسروں کے مال پر ہاتھ صاف کرتے ہو۔ آج یہ بدعت کیسی۔"

"آج تم مجھے بہت اچھی لگ رہی ہو۔" دلاور خان چہکنے لگا۔

"تو کیا کافی پینے کے دوران پرپوز کرنے کا ارادہ ہے۔" نیرہ نے بغیر کسی جھجک کے کہا۔

وہ دونوں ایک قریبی ریسٹورنٹ کی طرف چلنے لگے۔

"پانی میں رہ کر مگر مچھ سے بیر کون لے سکتا ہے۔" دلاور خان نے جواب دیا۔

"آج بڑی عجیب سی باتیں کر رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے۔ مجھ سے کوئی کام آن پڑا ہے۔"

ریسٹورنٹ کے ایک پرائیویٹ کیبن میں بیٹھ کر دلاور خان نے دو کولڈ ڈرنک کا آرڈر دیا۔

"کولڈ کافی۔" نیرہ نے ویٹر کے جانے کے بعد دلاور خان کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا۔ "کوئی بہت ہی خاص بات معلوم ہوتی ہے۔"

"میں نے سوچا چیف ایڈیٹر کی ڈانٹ کھا کر آئی ہو غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے کولڈ کافی مناسب رہے گی۔"

"دیکھو خان صاحب یہ بہلاوے اسے دو جو تمہیں نہ جانتا ہو۔"

"گویا تم مجھے جانتی ہو۔"

"تم بہت پراسرار شخصیت ہو۔" نیرہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ میں تمہیں دوسروں سے زیادہ جانتی ہوں۔"

"واقعی تو تم مجھے ضرور بتاؤ۔ میرے بارے میں اتنی افواہیں پھیل چکی ہیں کہ مجھے خود اپنے آپ کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔"

اسی لمحے ویٹر کیبن میں داخل ہوا اور کولڈ کافی کے دو گلاس رکھ کر چلا گیا۔

"میرا اندازہ ہے کہ تمہارا تعلق سیکرٹ سروس سے ہے۔"

''اچھا کس ملک کی۔'' دلاور خان نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں پوچھا۔

''خشش میں اتنی احمق نہیں ہوں کہ تمہیں کسی غیر ملک کا سیکریٹ ایجنٹ خیال کرنے لگوں۔'' نیرہ بولی۔ ''تم نے کبھی کیپٹن بدر کا نام سنا ہے۔''

دلاور خان نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ مگر چہرے سے کوئی تاثر ظاہر نہیں ہوا۔

''یہ کون بزرگ ہیں۔'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''سیکرٹ سروس کے ایک بہت قابل اور ذہین اسپیشل آفیسر۔''

''تو پھر......''

''تو پھر میں سمجھتی ہوں کہ تمہارا ان کے شعبے سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔''

''معلوم ہوتا ہے۔ کھانے میں کوئی ثقیل چیز ضرور کھالی تھی۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔''

''ظاہر ہے۔ اس پریشان خوابی کا اور کیا جواز ہو سکتا ہے۔'' دلاور خان نے کہا۔ اور ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا۔ ''ویسے تم بہت چالاک ہو۔ میں یہاں تمہیں اس لیے لایا تھا۔ کہ تم سے کچھ پوچھ سکوں لیکن تم نے میرا مسئلہ چھیڑ کر اپنے سوالات شروع کر دیے۔''

''میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ یہ عنایت بے وجہ نہیں ہو سکتی۔'' نیرہ مسکرائی...... ''پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو۔''

''رقاصہ نرگس کے بارے میں تم کیا جانتی ہو۔''

''ارے وہ بدفلائی۔'' نیرہ کا منہ بن گیا۔ ''میرا بس چلے تو اس کو گولی مار دوں۔''

''کیا اس لیے کہ اس نے قریشی پر قبضہ کر لیا ہے۔''

''قبضہ کر نہیں لیا کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور یہ مرد ایسے کاٹھ کے الو ہوتے ہیں کہ جہاں کسی نے مسکرا کر بات کی اور پٹری سے اتر گئے۔ بہر حال میں قریشی کو وہ جھوٹی ہانڈی گھر لے جانے نہیں دوں گی۔''

''کیا کر لو گی۔''

''شوٹ کر دوں گی۔''

''قریشی کو۔''

''نہیں اس حرافہ نرگس کو مگر مجھے امید نہیں کہ وہ بچ سکے دو پاٹوں کے درمیان آ گئی ہے۔''

''دو پاٹ۔''

''شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اس پر اسٹیج پروڈیوسر یونس کے قتل کا شبہ کیا جا رہا ہے۔''

''یہ تو معلوم ہے۔ مگر دوسرا پاٹ کون سا ہے۔''

''گرین لینڈ کلب کا مالک شہروز خان۔''

''شہروز خان۔'' دلاور خان نے چونک کر کہا۔ ''اس کا نرگس سے کیا تعلق۔''

''نرگس نے اس کے کلب میں ناگ رقص کا معاہدہ کیا تھا۔''

''تمہارا مطلب ہے۔ سانپوں کے ساتھ ڈانس کرنا۔'' دلاور خان بولا۔ ''مگر وہ تھری فلاور کلب میں پروگرام پیش کرتی ہے۔''

''تو کیا ہوا۔ شہروز نے اسے اپنے کلب کے اسٹیج پر رقص کرنے کی پیش کش کر دی اور وہ آمادہ ہو گئی لیکن پھر غالباً قریشی نے اسے ڈرایا ہوگا۔ کہ شہروز اچھا آدمی نہیں اس کا کلب بھی بدنام ہے۔ اس لیے نرگس نے انکار کر دیا۔ چنانچہ اب شہروز تلملایا پھر رہا ہے۔ جب بھی اسے موقع مل گیا وار کر جائیگا۔''

دلاور خان کسی سوچ میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا۔ شہروز واقعی بہت خراب آدمی تھا۔ غنڈوں کا سرپرست' مجرموں کا پشت پناہ خود اس کا کلب غیر قانونی سرگرمیوں کا اڈا بنا ہوا تھا۔ اگر نرگس نے اس سے معاہدہ کر کے توڑ دیا تھا۔ تو شہروز اس کی جان کا گاہک بن سکتا تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ وہ ایسے کام خود نہیں کرتا تھا۔ دوسرے پیشہ ور بدمعاشوں سے معقول معاوضے پر کرواتا تھا۔

''تمہیں نرگس کی مالی پوزیشن کے بارے میں کچھ پتا ہے۔'' آخر اس نے کچھ سوچتے ہوئے نیرہ سے پوچھا۔

''معلوم تو نہیں ہونا چاہیے تھا۔'' نیرہ نے جواب دیا۔ ''لیکن جب وہ ہاتھ دھو کر قریشی کے پیچھے پڑی تو مجھے اس کے بارے میں خاصا تجسس پیدا ہوا۔ میرے علم کے مطابق وہ کوئی دولت مند عورت نہیں ہے۔ گنے چنے ملبوسات ہیں۔ جنہیں بدل بدل کر وہ پہنتی رہتی ہے۔ سارے زیورات نقلی ہیں۔ کرائے کے فلیٹ میں رہتی ہے اور عموماً پابندی سے کرایہ ادا نہیں کرتی۔ میرا خیال ہے کہ اگر ایک ہفتہ بھی بے کار بیٹھنا پڑے تو فاقوں کی نوبت آ سکتی ہے۔''

''اور ایک ایسی عورت اسے فیس میں ایک لاکھ روپیہ دے گئی ہے۔'' دلاور نے سوچا یا تو نیرہ کی معلومات غلط ہیں یا پھر نرگس کو حال ہی میں کہیں سے بڑی رقم ملی ہے مگر کہاں سے۔''

''کیا شہروز نے اسے معاہدے کے سلسلے میں کوئی ایڈوانس دیا تھا۔'' دلاور نے پوچھا۔

''دیا ہو تو مجھے پتا نہیں۔'' نیرہ نے بتایا۔ ''لیکن شہروز عموماً پیشگی رقم دینے کا قائل نہیں۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔'' دلاور خان نے سوچا۔

''تمہارے علم و اطلاع کے مطابق سیٹھ شمشاد اور نرگس میں تو کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اس نے سوال کیا۔

''یہ آج نرگس کے بارے میں اتنی دلچسپی کیوں ظاہر کی جا رہی ہے۔'' نیرہ نے پوچھا۔

''کوئی خاص بات نہیں۔ قریشی سے ملاقات ہوئی تھی۔ تو یونس کے قتل کے سلسلے میں اس کا نام زیر گفتگو آیا تھا تمہیں تو پتا ہے کہ مجھے جرائم کی الجھی ہوئی وارداتوں سے خود بخود دلچسپی ہو جاتی ہے۔''

''جی نہیں مجھے بالکل پتا نہیں ہے۔'' نیرہ بولی۔ ''میں تو یہ جانتی ہوں کہ تمہاری دلچسپی حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو خاصی بڑی رقمیں خرچ کرنا پڑتی ہیں۔ مجھے شک ہو رہا ہے کہ یونس کے قتل کی واردات کے سلسلے میں ضرور کسی نہ کسی نے تمہاری خدمات حاصل کی ہیں۔ بتاؤ کے نہیں۔''

''اگر بالفرض ایسا ہو تو کیا ہوگا۔''

''میرے اخبار کے لیے ایک خبر ہوگی اور میں بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاؤں گی کہ بات اتنی سرسری نہیں جتنی نظر آ رہی ہے۔''

''اب تم نے بے کار باتیں شروع کر دی ہیں۔'' دلاور خان کھڑا ہو گیا۔ ''اس لیے سر دست خدا حافظ۔''

''اور یہ کافی کا بل کون ادا کرے گا۔'' نیرہ نے جلدی سے پوچھا۔ وہ ابھی اپنی کافی ختم نہیں کر سکی تھی۔

''میری جیب میں پیسے ہوتے تو میں ہی ادا کر دیتا۔''

''پیسے تو میرے پاس بھی نہیں ہیں۔''

''مگر تمہارا یہاں حساب چلتا ہے۔ میرا نہیں چلتا۔ اچھا ٹاٹا۔'' دلاور نے مسکراتے ہوئے کہا اور کیبن سے باہر نکل گیا۔

لیکن دو منٹ بعد نیرہ جب دل ہی دل میں تاؤ کھاتی ہوئی ریسٹورنٹ کے کاؤنٹر پر پہنچی تاکہ کافی کے پیسے اپنے حساب میں لکھوا سکے تو اسے یہ معلوم کر کے خوش گوار حیرت ہوئی کہ دلاور جانے سے پہلے کافی کی رقم ادا کر گیا تھا۔

☆☆

نیرہ سے جو گفتگو ہوئی اس کی روشنی میں اس بات کا امکان نظر آ رہا تھا کہ نرگس کو اپنی زندگی کے بارے میں جو خطرہ تھا۔ اس کی وجہ شہروز ہو۔ دلاور نے مناسب سمجھا کہ گھر واپس ہونے سے

پہلے اس سے بھی دو دو باتیں کرے۔ اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی سہ پہر کے چار بج رہے تھے۔ گرین لینڈ کلب جیسی تفریح گاہیں دن کو سوتی اور رات کو جاگتی ہیں۔ مگر یہ بھی طے تھا کہ شہروز کے ساتھ تفصیلی گفتگو دن ہی میں ممکن تھی۔ اس لیے دلاور خان نے اپنی کار کا رخ گرین لینڈ کلب کی طرف موڑ دیا۔

جو شہر سے تقریباً چھ سات میل باہر ہائی وے پر واقع تھا۔ کلب کا بیرونی گیٹ کھلا ہوا تھا۔ مگر صدر دروازہ بند تھا۔ دلاور خان نے اپنی کار کلب کی پارکنگ میں کھڑی کرنے کے بجائے اس کے صدر دروازے کے سامنے ہی روک دی۔

سیڑھیاں طے کر کے اور پہنچا دروازے پر لگا ہوا برقی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ تقریباً ایک منٹ بعد کسی پستہ قامت گوریلا نما آدمی نے پٹ کھول کر جھانکا۔ دلاور خان کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور جو کچھ دیکھا اس سے غالباً زیادہ متاثر نہیں ہوا کہ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"کلب شام سات بجے کھلتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" دلاور نے جواب دیا۔ "مگر میں شہروز سے ملنے آیا ہوں۔"

"کیا کام ہے۔"

"یہ میں اسی کو بتاؤں گا۔ اس سے جا کر کہو کہ دلاور خان تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"تم دلاور خان ہو یا کوئی اور...... فوراً دفع ہو جاؤ باس ہر ایرے غیرے سے نہیں ملا کرتے۔"

گوریلے نے دروازہ بند کرنا چاہا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت کر سکتا۔ دلاور خان نے دروازے کے پٹ کو زور سے دھکا دیا۔ گوریلا اس کے لیے تیار نہ تھا۔ جھٹکا کھا کر کئی قدم پیچھے چلا گیا۔ دلاور خان اطمینان سے اندر داخل ہوا اور دروازہ بند کر دیا۔ گوریلے نے اسے خونی نظروں سے گھورا۔

"تم اپنے آپ کو بڑا تیس مار خان سمجھتے ہو۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔ "ایک گھونسے میں بتیسی باہر آ جائے گی۔"

"راستہ چھوڑ دو۔ میں تم سے الجھنا نہیں چاہتا۔"

"مگر میں تم سے الجھنا چاہتا ہوں۔" گوریلا سمجھ رہا تھا کہ دلاور خان غافل ہے۔ اس نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر گھونسہ چلایا۔

دلاور خان ایک طرف ہٹ گیا۔ وار خالی گیا۔ گوریلے کا پارہ اور بھی چڑھ گیا اس نے سنبھلتے ہوئے ایک جست لگائی ارادہ یہ ہی تھا کہ دلاور خان کو اپنے ساتھ لیتے ہوئے۔ فرش پر جا گرے اور پھر رگید دے۔ مگر دلاور خان اس بار بھی پھرتی سے بچ گیا۔ گوریلا منہ کے بل فرش پر پڑا۔ مگر وہ بھی اناڑی نہیں تھا۔ اس نے ہاتھوں کو کمانی کی طرح لچک دیتے ہوئے خود کو چوٹ کھانے سے بچایا۔ مگر اب دلاور خان اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ گوریلے سنبھل سکے دلاور خان نے گھونسہ اس کی گردن پر مارا اور گوریلا فرش پر دراز ہو گیا۔ بند عمارت میں ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور عمارت کے اندر ہی گونج کر رہ گیا۔

"میں تمہیں قتل کر دوں گا۔" گوریلا چیخا اور اٹھنے کی کوشش کی دلاور خان نے آگے بڑھ کر اس کی ٹھوڑی پر ایک لات جمائی اور گوریلا دوسری طرف الٹ گیا اس نے پھر کوشش کی اور جواب میں پھر ایک گھونسہ کھایا۔ چوتھے گھونسے پر اس میں ہلنے کی بھی سکت نہیں رہی شور سن کر شہروز بھی آ گیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"تمہارے پالتو گوریلے کو میزبانی کے آداب سکھا رہا تھا۔" دلاور خان نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"تم۔" شہروز اسے پہچان گیا۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو۔"

"تم سے کچھ باتیں کرنے آیا تھا۔" دلاور خان نے جواب دیا۔ "مگر تمہارا یہ بلڈاگ اندر آنے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔"

شہروز نے گوریلے کا بازو پکڑ کر اٹھایا اور اس کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ مارا۔

"میرے پاس کام کرنا ہے۔ کرمو تو آدمی کی پہچان رکھو۔" اس نے غصے سے کہا۔ "دفع ہو جاؤ آئندہ سے تمہاری ڈیوٹی دروازے پر نہیں کلب کے اندر ہوگی۔ مگر کوئی دوسری غلطی تم سے نہیں ہونی چاہیے۔"

وہ مسکراتے ہوئے دلاور کی طرف متوجہ ہوا۔

"آؤ استاد آفس میں آ جاؤ وہاں اطمینان سے بات ہو سکے گی۔" اس نے کہا۔

وہ دونوں آفس میں پہنچے شہروز نے شراب پیش کرنا چاہی۔ مگر دلاور خان نے انکار کر دیا۔ اس پر شہروز نے دو کولڈ ڈرنک منگوائیں۔

"ہاں اب بتاؤ کیا بات ہے۔" اس نے پوچھا۔

"یہ نرگس کا کیا قصہ ہے۔" دلاور خان نے سوال کیا۔ نرگس کے نام پر شہروز چونکا۔

"تمہارا اس سے کیا تعلق۔"

"وہ میری موکلہ ہے۔"

"اور اس نے تم سے میری شکایت کی ہے۔"

"نہیں میں ایک دوسرے معاملے کے تحت تحقیق کر رہا تھا۔ درمیان میں تمہارا نام سامنے آیا۔ میں نے سوچا کیوں نہ تم سے خود بات کر لی جائے۔"

"بہت اچھا کیا۔" شہروز نے سر ہلایا۔ "ویسے یہ نرگس بڑی چالاک عورت ہے۔ اس نے مجھے ایسا ٹیکہ دیا کہ تین چار لاکھ کے پھیر میں آ گیا۔ اور میں اپنے نقصان پہنچانے والوں کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ ایک نہ ایک دن نرگس کو بھی اپنی حرکت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔"

"بات کیا ہوئی۔"

"تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ تھری ٹلاور کلب میں کام کرتی ہے۔ صورت و شکل بھی اچھی ہے۔ اور جسم بھی قیامت کا پایا ہے۔ میں نے اسے اپنے یہاں کام کرنے کی دعوت دی معاوضہ دینے کا وعدہ کیا۔ وہ آمادہ ہو گئی۔ میں اسے ایک نئے انداز میں پیش کرنا چاہتا تھا۔ میرا کلب تم جانتے ہو سنسنی خیز باتوں پر چلتا ہے۔ میں نے اسے سانپوں کے ساتھ رقص کرنے کی ٹریننگ دلوائی۔ کلب کا اسٹیج نئے سرے سے تیار کروایا۔ خوب زور و شور سے پبلسٹی کی لاکھوں روپے خرچ کر دیے لیکن ہوا یہ ہے۔ اس نے کیا کہا افتتاحی پروگرام سے دو دن پہلے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ اس وقت مجھے کیسا محسوس ہوا ہوگا۔"

"افتتاحی پروگرام کس دن تھا۔" دلاور خان نے پوچھا۔

"جمعہ ۸ فروری کو۔"

"گویا اس نے بدھ کے دن انکار کیا۔"

"ہاں ---- کیوں۔"

"اور بدھ ۹ فروری کو ہی یونس کا قتل کیا گیا تھا۔" دلاور خان نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "وہ خود تم سے ملنے آئی تھی۔"

"نہیں اس نے فون کیا تھا۔"

"کس وقت۔"

"رات کو تقریباً گیارہ بجے۔"

"تم نے معاہدے کے سلسلے میں اسے کچھ ایڈوانس دیا تھا۔"

"نہیں وہ مانگ رہی تھی لیکن میں نے انکار کر دیا تھا۔"

"شکریہ۔" دلاور خان کھڑا ہو گیا۔ "ایک

دوستانہ مشورہ مانو گے۔"

"ضرور۔"

"نرگس کا خیال دل سے نکال دو۔ میں نہیں چاہتا اسے کچھ نقصان پہنچے۔"

"مگر اس کی وجہ سے میرا کم از کم دو تین لاکھ کا نقصان ہوا ہے۔"

"میں تمہاری طرف متوجہ ہو گیا تو یہ نقصان اور بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔ یہ مت سمجھنا کہ میں تمہارے کالے دھندے سے واقف نہیں ہوں۔"

"او کے باس۔" شہروز جلدی سے بولا۔

"تم نے کہا اور میں نے نکال دیا۔"

"کیا۔"

"اپنے ذہن سے نرگس کا خیال۔"

"گڈ۔" دلاور نے سر ہلایا اور آفس سے باہر نکل گیا۔

☆☆

گرین کلب سے دلاور خان اپنے گھر چلا گیا۔ شام سات بجے تک کا وقت حالات پر غور کرنے اور جو معلومات اسے حاصل ہوئی تھیں۔ ان کا تجزیہ کر کے کوئی نتیجہ اخذ کرنے میں صرف کیا۔ اس کے ذہن میں ایک عجیب خیال سر ابھار رہا تھا۔ ایک ایسا خیال جو حالات و واقعات کی پوری طرح وضاحت کر سکتا تھا لیکن ابھی اس خیال کی تائید میں اس کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا۔ اس کو یقین تھا کہ نرگس سے گفتگو کرنے کے بعد وہ کسی یقینی نتیجے میں پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ نرگس کے گھر روانہ ہونے سے پہلے پتا نہیں اس نے کیا سوچا کہ اپنے کمرہ خواب میں رکھے ہوئے فون ایکسٹینشن کا ریسیور کا ریسیور اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کیا۔ اس فون ایکسٹینشن کی خاص بات یہ تھی کہ اس پر ہونے والی تمام گفتگو ایک ٹیپ پر ریکارڈ ہو جاتی تھی۔

"ہیلو۔" دوسری طرف ایک کرخت مردانہ آواز ابھری۔

تقدیر اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ ریسیور اس شخص نے اٹھایا تھا۔ جس سے وہ بات کرنا چاہتا تھا۔

"کوئی نام لینے یا واضح بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" دلاور خان نے بدلی ہوئی آواز میں کہا۔ "راز کھلنے کا اندیشہ ہو گیا ہے۔"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ اسے اس معاملے میں شریک مت کرو۔ کوئی اور حال سوچ کر۔"

"میرا اشارہ اس کی طرف نہیں تھا۔ اسے قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔"

"تو پھر اور کون ہے۔"

"کوئی آج تم سے ملنے آیا تھا۔" دلاور خان نے کہا۔ دوسری طرف ایک ثانیہ کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"میں سمجھ گیا۔ وہ آدمی مجھے بھی خطرناک معلوم ہو رہا تھا۔" آخر جواب ملا۔ "پھر اب کیا کیا جائے۔"

"اسے خاموش رکھنے کے لیے مزید رقم کی ضرورت ہو گی۔"

"تو پھر مجھ سے کیا کہہ رہے ہو۔ جو کچھ کرنا ہو۔ اپنے پاس سے کرو۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ چار میں سب کچھ ہو جائے گا۔ اور تم نے اسے صرف ایک ہی تو دیا ہے۔"

"ایک کی ضرورت اور ہو گی میں اپنے حصے میں سے نہیں دے سکتا۔ سب سے زیادہ خطرناک پوزیشن میری ہے۔ بہرحال میں نے تمہیں آگاہ کر دیا۔ بات بگڑ گئی تو مجھ سے شکایت مت کرنا۔ پھر میں بھی کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

"تم ڈاکو ہو اب تو میں پھنس گیا ہوں۔ جو کچھ کرنا پڑے گا۔ کب چاہیے۔"

"تم تیار رکھنا۔ جب ضرورت ہو گی۔ مانگ لوں گا۔ اچھا خدا حافظ۔"

دلاور خان نے ریسیور رکھا۔ تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی ہیں۔ ریسیور رکھ کر اس نے ٹیپ ریکارڈر سے وہ کیسٹ نکالا جس پر فون پر ہونے والی تمام باتیں ریکارڈ ہو چکی تھیں۔ کیسٹ حفاظت سے کورٹ کی اندرونی جیب میں رکھا اور گھر بند کرتے ہوئے نرگس سے ملنے روانہ ہو گیا۔ نرگس ایک چھوٹے علاقے کے معمولی سے گھر میں رہتی تھی۔ ابھی وہ مین روڈ سے سائیڈ اسٹریٹ پر ہی آیا تھا۔ جس پر مطلوبہ مکان واقع تھا۔ اس نے مکان کے سامنے دو پولیس کاروں کو کھڑے دیکھا۔ وہ دونوں کاروں کو بخوبی پہچانتا تھا۔ ان میں سے ایک ڈی ایس پی قریشی کی تھی اور دوسری انسپکٹر دستگیر کی دلاور خان کا ماتھا ٹھنکا۔ اپنی کار کچھ دور ہی روکتے ہوئے وہ تیزی سے اترا۔ مکان کے سامنے محلے کے کچھ لوگ جمع تھے۔ ایک کانسٹیبل بھی موجود تھا۔ جو ہجوم کو دروازے سے دور رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا معاملہ ہے۔" دلاور خان نے ایک آدمی سے پوچھا۔

"کسی نے رقاصہ نرگس کو قتل کر دیا ہے۔" آدمی نے افسردگی سے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

☆☆

دلاور خان نے ایک گہری سانس لی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ قاتل اتنی جلدی وار کر جائے گا۔ اس نے کانسٹیبل کے ذریعے اپنے اندر آنے کی اطلاع دی تو قریشی نے اسے اندر گھر میں بلوا لیا۔ دلاور خان کو حیرت ہوئی کہ ایک کمرے میں نیرہ بیگم اور شہروز بھی موجود ہیں۔ انسپکٹر دستگیر متعلقہ عملہ اور پولیس سرجن کے ساتھ دوسرے کمرے میں جہاں نرگس کی لاش پائی گئی تھی۔ تحقیقات میں مصروف تھا۔

"تمہیں کیسے اطلاع ملی۔" قریشی نے پوچھا۔

"میں کسی اطلاع کی بنیاد پر نہیں بلکہ پہلے سے مقرر کردہ پروگرام کے مطابق نرگس سے ملاقات کرنے آیا تھا۔" دلاور خان نے جواب دیا۔ "مگر یہ ہوا کیسے اور اس کا ذمہ دار کون ہے۔" اس نے نیرہ اور شہروز کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ دونوں یہاں کیا کر رہے ہیں۔"

"اور میں یہ جاننا چاہوں گا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔" انسپکٹر دستگیر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"نرگس میری موکلہ تھی۔" دلاور خان نے جواب دیا۔ "میں اس سے ملنے آیا تھا۔"

"وہ تو اب قتل ہو چکی ہے۔ اسے تمہاری خدمات کی کی ضرورت نہیں رہی۔" دستگیر نے کہا۔ "اس لیے تشریف لے جاؤ اور کل صبح مجھ سے ہیڈ کوارٹر میں آ کر ملو۔ میں اس کے بارے میں تم سے چند ضروری سوالات کرنا چاہوں گا۔"

"میری موجودگی تمہارے فرائض میں حائل نہیں ہو گی۔ بلکہ ممکن ہے۔ میں تمہیں اس کے قاتل تک پہنچنے میں مدد دے سکوں۔" دلاور خان نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تو ٹھہر سکتے ہو۔" قریشی بولا۔

"مگر اپنی زبان بند رکھنا۔" دستگیر نے ناگواری سے کہا اور نیرہ کی طرف۔ "ہاں تو نیرہ صاحبہ اب بتائیے آپ اس معاملہ میں کیا جانتی ہیں۔"

"آپ کو پتا ہے انسپکٹر کہ نرگس پولس کے کیس میں ابھی تک مشتبہ افراد کی فہرست میں ہے۔" نیرہ نے کہا۔ "مجھے آج سہ پہر معلوم ہوا کہ اس نے دلاور خان کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ یہ میرے لیے ایک اخباری اہمیت کی اطلاع تھی۔ پبلک دلاور خان کی ذات اور اس کے کارناموں سے بڑی دلچسپی رکھتی ہے۔ میں اس سلسلے میں نرگس سے انٹرویو لینے آئی تھی۔"

"آپ کس وقت یہاں پہنچی تھیں۔" دستگیر نے پوچھا۔

"تقریباً پونے آٹھ بجے۔" نیرہ نے جواب دیا۔

"پھر کیا ہوا۔"

"مکان کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ کمروں میں روشنی ہو رہی تھی۔ میں نے دروازے پر دستک دی کوئی جواب نہ ملا۔ تو میں نے دوبارہ دستک دی۔ تقریباً اسی وقت کسی نے بہت تیزی سے پٹ کھولے۔ اس سے پہلے کہ میں اسے دیکھ سکوں اس نے بڑے زور سے میرے منہ پر ایک گھونسہ مارنا چاہا۔ جو بچنے کی کوشش میں منہ پر لگنے کے بجائے کنپٹی پر پڑا میرے سر میں ایک دھماکہ سا ہوا۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور میں غالباً بے ہوش ہو کر گر گئی۔ اسی کیفیت میں میں نے اس شخص کو اپنے قریب سے گزرتے اور جاتے ہوئے محسوس کیا۔ پھر مجھے ہوش نہیں رہا کچھ دیر کے بعد جب آنکھ کھلی تو میں دروازے کی راہداری میں فرش پر پڑی ہوئی تھی۔"

"آپ نے اس شخص کو دیکھا تھا جس نے آپ پر حملہ کیا تھا۔"

"جی نہیں۔ دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ دروازے میں یا دروازے کے باہر بہت اندھیرا تھا۔ پھر اس نے اتنی پھرتی سے کام لیا کہ اگر روشنی بھی ہوتی تو شاید میں اسے دیکھنے سے قاصر رہتی۔"

"گویا آپ ہمیں اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔ مگر میں اسے دیکھ ہی نہ سکی تو کیا بتاؤں۔"

"اچھا پھر کیا ہوا۔"

"مجھے ہوش آیا تو میں اٹھی سر میں درد ہو رہا تھا۔ مگر قابل برداشت میں گھر میں گئی اور ایک کمرے میں نرگس کو مقتول پایا۔ وہ منہ کے بل فرش پر پڑی ہوئی تھی اور اس کی پشت میں کسی چاقو یا خنجر کا دستہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے جھک کر اس کی نبض دیکھی میرے خیال کے مطابق وہ مر چکی تھی۔ میں فوراً کسی بھی چیز کو ہاتھ لگائے بغیر کمرے سے باہر آ گئی ایک دوسرے کمرے میں مجھے فون دکھائی دیا۔ میں نے رومال ہاتھ پر لپیٹ کر ریسیور اٹھایا۔ تاکہ اگر ریسیور پر کسی قسم کے نشانات ہوں تو ضائع نہ ہوں اور قریشی صاحب کے دفتر فون کیا۔ دفتر میں کسی نے بتایا کہ قریشی صاحب گھر واپس جا چکے ہیں۔ میں نے گھر فون کیا۔ مگر وہاں بھی نہیں تھے۔ ابھی میں سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کروں کہ قریشی صاحب پہنچ گئے۔ اور صورت حال سے واقف ہو کر انہوں نے آپ کو فون کیا۔ اس کے بعد آپ لوگ آ گئے۔"

"بس اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتیں۔" دستگیر صاحب نے سوال کیا۔

"جی نہیں۔"

"اور تم۔" دستگیر نے شہروز کی طرف دیکھا۔ "تم کیسے آئے تھے۔"

"مجھے نرگس نے خود فون کیا تھا اور آج شام آٹھ بجے بلایا تھا۔" شہروز نے جواب دیا۔ "لیکن جب میں پہنچا تو نیرہ اور ڈی ایس پی پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ نرگس کو کسی نے قتل کر دیا ہے اور مجھے روک دیا کہ اس کے بارے میں مجھ سے بھی کچھ سوالات کیے جا سکتے ہیں۔ مگر میں نے ان سے بھی کہا تھا اور تم سے بھی کہہ رہا ہوں کہ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"حالانکہ تم اسے انتقام لینے کی دھمکیاں دے رہے تھے اور شاید تمہاری دھمکیوں سے خوفزدہ ہو کر ہی اس دلاور خان سے مدد چاہی تھی۔" قریشی نے کچھ سخت لہجے میں کہا۔

"یہ ٹھیک ہے کہ نرگس کی وجہ سے میرا نقصان ہوا تھا اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ میں نے اسے بدلہ لینے کی دھمکی دی تھی۔" شہروز نے کہا۔ "لیکن میں نے اسے قتل نہیں کیا میں اس کے قتل ہونے کے بعد نیرہ کی موجودگی میں یہاں پہنچا تھا۔"

"یہ تمہارا بیان ہے۔" دستگیر بولا۔ "کیا ثبوت ہے اس بات کا کہ تم اس سے پہلے یہاں نہیں آئے تھے اور وہ تم نہیں تھے جو نیرہ کو گھونسہ مار کر گھر سے نکل بھاگے تھے۔ اس نے تمہیں آٹھ بجے بلایا تھا۔ تم ساڑھے سات بجے آ گئے۔ اور اس سے باتوں کے دوران موقع پا کر قتل کر دیا۔ ٹھیک اسی وقت نیرہ نے دروازے پر دستک دی۔ تم گھبرا گئے اور اسے بیہوش کر کے فرار ہو گئے لیکن تمہیں اندیشہ تھا کہ اگر پولیس کو معلوم ہو گیا کہ نرگس نے تمہیں بلایا تھا اور تم نہیں آئے تو تم پر شک کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے آٹھ بجے اپنی بے گناہی کا ثبوت دینے اور اپنی لاتعلقی ظاہر کرنے دوبارہ آ گئے۔"

"میں پرزور الفاظ میں ان الزامات کی تردید کرتا ہوں۔" شہروز نے تیزی سے جواب دیا۔ "ضرورت پڑی تو میں ثابت کر دوں گا کہ میں ساڑھے سات بجے کہاں تھا لیکن تمہارے اس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ میں ساڑھے سات بجے یہاں آیا تھا۔ جب نیرہ نے دستک دی تو میں گھر میں موجود تھا اور پھر اسے گھونسہ مار کر بھاگنے والا بھی میں ہی تھا۔"

"انتقامی جذبے ہی کی بات ہے تو نرگس کے خلاف یہ جذبہ تو نیرہ کے دل میں بھی موجود تھا۔" دلاور خان مسکرایا۔ "یہ خود میرے سامنے اس کا اعتراف بھی کر چکی تھیں۔ پھر یہ موقع پر پکڑی گئیں۔"

"ارے او خان صاحب ذرا سوچ سمجھ کر۔" نیرہ جلدی سے بولی۔ "میں موقع پر پکڑی

نہیں گئی۔ بلکہ میں نے خود قریشی صاحب کو فون کیا۔“

”جو کہ انہیں نہیں ملا۔“ دلاور خان نے بات کاٹی۔ ”کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم نے رقابت کے جوش میں نرگس کو قتل کر دیا۔ بھاگنے کا ارادہ کر رہی تھیں کہ قریشی صاحب پہنچ گئے اور تمہارے چالاک ذہن نے انہیں دیکھتے ہی ایک داستان گھڑ لی کہ کس نے تم پر حملہ کیا تھا اور تم بے ہوش ہوگئیں۔ ہوش آیا تو نرگس کو مقتول دیکھا اور قریشی کو فون کرنے کی کوشش کی۔ مگر یہ خود آ گئے۔“

”بات تو تمہاری بھی قابل غور ہے۔“ قریشی نے سر ہلایا۔

”یہ آپ دونوں میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔“ نیرہ گھبرا گئی۔ ”خدا کی قسم اس واردات سے میرا کوئی واسطہ نہیں میں نے نرگس کو قتل نہیں کیا۔“

”لیکن شبہ تم پر کیا جا سکتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ میرے نزدیک شہروز اس جرم کا زیادہ اہل ہے۔“ قریشی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”اچھی بات ہے۔ شہروز کھڑا ہو گیا۔ ”اگر میں قاتل ہوں۔ تو آپ اسے ثابت کرتے رہیں۔ میں جا رہا ہوں۔“

”ایک منٹ۔“ دلاور خان نے ہاتھ اٹھایا۔ ”نرگس کا فون تم نے خود ریسیو کیا تھا۔“

”نہیں میری بیوی نے۔“

”تمہاری بیوی نے۔“ دلاور خان نے حیرت ظاہر کی۔

”ہاں فون گھر پر آیا تھا۔“ شہروز نے جواب دیا۔ ”حالانکہ میں نے نرگس سے کہہ دیا تھا کہ مجھے وہ ہمیشہ کلب میں فون کرے۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ میں نے اسے گھر کا نمبر بھی نہیں دیا تھا۔“

”اس نے فون پر کیا کہا تھا۔“

”اس نے کہا تھا کہ وہ کلب میں کام کرنے کے سلسلے میں دوبارہ بات چیت کرنا چاہتی ہے۔ اس لیے میں شام کو اس کے گھر آ کر ملوں۔“

”ٹھیک ہے۔“ دلاور خان نے کہا۔ ”اب تم جا سکتے ہو۔“ اس نے نیرہ کی طرف دیکھا۔ ”اور آپ بھی تشریف لے جائیں۔“

”اے تم کسی کو جانے یا کسی کو رکنے کے لیے نہیں کہہ سکتے۔“ دستگیر نے جلدی سے کہا۔ ”کیس کا چارج میرے پاس ہے۔ میرے فرائض میں مداخلت شروع کی تو میں خود تمہیں چلتا کر دوں گا۔ سمجھے۔“

”بالکل سمجھ گیا۔ یہ بتاؤ کہ تم قاتل کو گرفتار کرنا چاہتے ہو یا نہیں۔“

”گویا تمہیں پتا ہے کہ قتل کس نے کیا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ میں نے صرف نرگس کے قاتل کو ہی نہیں بلکہ یونس کے قاتل کو بھی پہچان لیا ہے۔“ دلاور خان نے جواب دیا۔ ”نیرہ اور شہروز دونوں کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ تم انہیں جانے کی اجازت دے دو۔ میں قاتل کو پلیٹ میں سجا کر پیش کر دوں گا۔“

”اگر یہ بات ہے تو پھر میں نہیں جاؤں گی۔“ نیرہ بولی۔ ”آخر میں ایک بڑے اخبار کی رپورٹر ہوں۔ ایسی اہم خبر سب سے پہلے مجھے ملنا چاہیے۔“

”وہ تمہیں پوری کہانی بعد میں مل جائے گی اور دوسرے تمام رپورٹروں سے پہلے سردست تمہارا جانا بہتر ہے۔“ دلاور خان نے کہا۔

انسپکٹر دستگیر غور سے دلاور خان کو گھور رہا تھا۔ جب اس نے کوئی اعتراض نہیں نکالا تو پہلے شہروز اور پھر کسی قدر ہچکچاہٹ کے انداز میں نیرہ بھی رخصت ہو گئی۔

”اب بتاؤ کیا بکواس کر رہے تھے۔“

دستگیر بولا۔

”پہلے نرگس کی بات کرو۔“

”تو انسپکٹر دستگیر نرگس کا قاتل تمہارے سامنے موجود ہے۔“ دلاور نے قریشی کی طرف اشارہ کیا۔

”تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔“ دستگیر جھلا کر چیخا۔ ”میں کوئی بکواس سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”بولنے دو۔ اسے اپنی بات پوری کرنے دو۔“ قریشی بڑے اطمینان سے مسکرا رہا تھا۔

”لیکن اصل میں یہ قصہ یونس کے قتل سے شروع ہوتا ہے۔“ دلاور نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”میں واقعات کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ خود سیٹھ شمشاد بیگ کے اپنے بیان کے مطابق اس نے بدھ ۹ جنوری کو شام کے ساڑھے آٹھ بجے یونس سے ملاقات کا پروگرام طے کیا تھا اور حسب توقع وہ ٹھیک وقت پر اس کے فلیٹ پر پہنچ گیا۔ وہاں ان دونوں میں گفتگو ہوئی۔ سیٹھ صاحب نے لالچ دے کر دھمکا کر یونس کو حناء سے دست بردار ہونے کے لیے کہا ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان دونوں کے مابین کیا بات چیت ہوئی لیکن یہ طے ہے کہ اس موقع پر ایک یا دونوں اشتعال میں آ گئے اور ان کے درمیان ہاتھا پائی ہوئی۔ جس کا ثبوت کمرے کی بے ترتیب چیزوں سے ملتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ سیٹھ صاحب اپنے گھر سے ہی اس قسم کا ارادہ کر کے گیا ہوگا لیکن چونکہ وہ چاقو جس سے یونس کو قتل کیا گیا یونس کا تھا۔ اس لیے گمان غالب یہ ہی ہے کہ بات وقتی جوش و اشتعال کی ہوگی۔

بہرحال اس اشتعال میں سیٹھ صاحب نے یونس کو قتل کر دیا۔ قتل کرنے کے بعد اسے ہوش آیا۔ کہ اس نے اپنے آپ کو کس پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کسی طرح سے بھی اس جرم پر پردہ نہیں ڈال سکتا۔ کئی لوگ اس بات کو جانتے تھے کہ حناء کے معاملے میں یونس سے اس کی دشمنی ہے۔ اس بات کے بھی گواہ موجود تھے کہ ان دونوں کے درمیان ملاقات کا پروگرام طے ہوا تھا۔

یونس کی لاش کہیں غائب کر دی جاتی یا اپنے فلیٹ میں پائی جاتی سیٹھ شمشاد بیگ کا نام زیر بحث آنا لازمی تھا اور پھر پولیس کی تحقیقات اسے مجرم ثابت کر سکتی تھی۔ اس نے صحیح اندازہ لگایا کہ اس وقت صرف ایک ہی شخص اسے بچا سکتا ہے۔ قریشی اس کا گہرا دوست اور پرانا واقف کار تھا اور سیٹھ بھی جانتا ہوگا کہ اگر معاوضہ معقول ہو تو قریشی کی وفاداری خریدی جا سکتی ہے۔ اس نے فون کر کے قریشی کو بلایا اور اسے ساری داستان سنا دی۔

قریشی بڑا ہوشیار اور چالاک آدمی تھا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ حالات ایسے ہیں کہ جن میں سیٹھ کو بچانا قریب قریب ناممکن ہے۔ الا یہ کہ اس جرم کے سلسلے میں معقول شبہ پیدا کر دیا جائے۔ اس نے عمر کا بڑا حصہ اسی دشت کی سیاحی میں بسر کیا ہے۔ اور اچھی طرح جانتا ہے کہ ہوشیار اور تیز طرار وکیل ہو تو وہ اپنے موکل کو شبہ دلا کر صاف بری کرا سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے حالات کو اس طرح ترتیب دیا کہ سیٹھ شمشاد کے قاتل ہونے کے بارے میں معقول شبہ پیدا ہو جائے۔ نرگس سے اس کے تعلقات تھے اور خود اس کے بقول وہ نرگس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک طرف فون کر کے نرگس کو فوراً آنے کی تاکید کی اور دوسری طرف سیٹھ شمشاد سے کہا کہ وہ گھر واپس جا کر کسی طرح حناء کی وہ چابی چرا لائے۔ جو یونس نے اسے دی تھی۔

نرگس بھی آ گئی اور سیٹھ شمشاد چابی بھی لے آیا۔ قریشی نے چابی پر نرگس کی انگلیوں کے

نشانات ثبت کیے اور اس سے کہا کہ وہ چابی کو دروازے کے قفل میں لگا دے اور اس کے بعد دونوں کو وہ بیانات حفظ کرا دیے جو کہ بعد میں انہیں پولیس کو دینا تھے اور جس سے تم اچھی طرح واقف ہو اور پھر پورا اطمینان کرنے کے بعد تمہیں فون کر دیا۔ چاقو کا دستہ صاف کر کے وہ سیٹھ شمشاد کے نشانات پہلے ہی ختم کر چکا تھا۔ تم نے موقع واردات پر پہنچ کر تفتیش کی۔ بیانات لیے اور جیسا کہ قریشی کی توقع تھی۔ تم یقینی طور پر سیٹھ شمشاد بیگ کو مجرم ثابت کر سکے نہ نرگس کو۔ قریشی نے اپنی اس خدمت کے بدلے سیٹھ شمشاد بیگ سے پچاس لاکھ وصول کیے تھے۔ جن میں سے چالیس لاکھ خود رکھے اور دس لاکھ نرگس کو دے دیے۔ ان دس لاکھ میں سے نرگس نے ایڈوانس کے بطور مجھے ایک لاکھ روپے دیے تھے۔ مجھے پوری امید ہے کہ باقی رقم یا اس کا بڑا حصہ تمہیں اس مکان کی تلاشی میں مل جائے گا۔"

"ہمیں اس کے بیڈ روم سے پانچ لاکھ روپے کے قریب رقم ملی ہے۔ سب نئے کرنسی نوٹ ہیں۔" دستگیر نے آہستہ سے کہا۔ وہ بہت کچھ سوچتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"گڈ۔" دلاور نے کہا۔ "اپنے آپ سے تم یہ سوال کر ہی سکتے ہو کہ نرگس جیسی معمولی رقاصہ کے پاس اتنی بڑی رقم کہاں سے آئی۔"

"بہرحال تو کہہ رہا تھا کہ بعد میں نرگس جب گھر پہنچی تو از خود یا پولیس کی تحقیقات کے دوران اسے احساس ہوا کہ اس نے قتل جیسے سنگین جرم کو چھپانے میں مدد دے کر اچھا نہیں کیا۔ ممکن ہے قریشی سے کہا بھی ہو کہ وہ پولیس کو اس بارے میں سچ سچ بتا دے گی۔ قریشی کس طرح گوارہ کر سکتا تھا۔ اس نے یقیناً نرگس کو دھمکی دی ہوگی کہ اگر اس نے زبان کھولی تو اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جائے گا۔ نرگس اس دھمکی سے خوفزدہ ہو کر میرے پاس آئی۔ قریشی کو معلوم ہوا کہ اس نے مجھ سے رابطہ قائم کیا ہے۔ تو یہ سمجھ گیا کہ اب اگر اس نے نرگس کی زبان بند نہیں کی تو خود اس کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔

لیکن یہاں بھی اس نے خود کو بچانے کی بھرپور کوشش کی اسے معلوم تھا کہ کنٹریکٹ توڑنے کے سلسلے میں شہروز نے اسے کھلے بندوں دھمکیاں دی ہیں میں اسے بھی بتا چکا تھا کہ آج ساڑھے آٹھ بجے میں اسے ملنے جاؤں گا۔ اس نے شہروز کے گھر فون کیا اور زنانہ آواز میں بولتے ہوئے خود کو نرگس ظاہر کیا اور شہروز کو آٹھ بجے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔

شہروز کے گھر فون کرنے کا مقصد یہ ہی تھا کہ اس تک پیغام بھی پہنچ جائے اور اس سے براہ راست بات بھی نہ کرنا پڑے تاکہ کہیں وہ اس کی آواز نہ پہچان لے۔ یہ سارے انتظامات کر کے قریشی خود ساڑھے سات بجے کے لگ بھگ یہاں پہنچ گیا اور بڑے آرام سے نرگس کو قتل کر دیا۔ اب اگر سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق ہوتا تو ادھر یہ قتل کر کے رخصت ہوتا اور ادھر شہروز پہنچ جاتا۔ شاید ابھی وہ صورت حال سے گھبرایا ہوا سوچ رہا ہوتا کہ کیا کرے کہ میں خود موقع پر پہنچ کر اس کے مجرم ہونے کا ایک گواہ بن جاتا۔ مگر نیرہ کی اچانک آمد نے اس کی ساری منصوبہ بندی پر پانی پھیر دیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں اس کے باوجود اس کو پہچان لیتا لیکن مشکل ضرور پیش آتی۔"

دلاور خاموش ہوا تو قریشی نے ایک فلک شگاف قہقہہ بلند کیا۔

"تم نے داستان تو خوب سوچی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "اور اس کے لیے تمہارے ذہن کو داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔ مگر میرے دوست قانون اور عدالت محض نظریات اور فرضی طور پر سوچی ہوئی باتوں پر فیصلے نہیں کرتے۔ تمہیں اپنے دعوے کا ثبوت پیش کرنا پڑے گا۔"

"کیا ثبوت چاہیے تمہیں۔" دلاور نے جواب دیا۔ "پولیس ہیڈ کوارٹر کے ٹیلی فون ایکسچینج پر وہ کال ریکارڈ ہوگی جب سیٹھ شمشاد نے تمہیں فون کیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں لیکن میرا اندازہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان کم سے کم گھنٹے بھر کا فرق تو ضرور ہوگا۔ کیا تم عدالت کو بتا سکو گے کہ سیٹھ کا فون پانے کے بعد تم نے قتل کی رپورٹ کرنے میں ایک گھنٹے کا وقت کیوں صرف کیا۔ جب کہ اپنے بقول تم فوراً وہاں پہنچ گئے تھے۔ آگے چلو سیٹھ شمشاد نے تمہارے جو رقم دی اس کا ایک حصہ نرگس کے پاس برآمد ہوا ہے۔ دوسرا حصہ تمہارے گھر کی تلاشی سے مل سکتا ہے۔ یہ رقم سیٹھ نے اپنے پاس سے دی ہو یا بینک سے کیش نکلوا کر دونوں صورتوں میں نمبر چیک کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ سیٹھ شمشاد کے پاس ہی سے تم دونوں کے ہاتھوں میں پہنچی۔ کیا تم بتاؤ گے کہ اس نے یہ رقم تمہیں کیوں دی تھی۔"

"اور سنو آج تمہیں نیرہ نے دفتر فون کیا تم نہیں ملے۔ گھر پر فون کیا وہاں بھی تم نہیں ملے۔ پھر تقریباً آٹھ بجے یہاں نمودار ہوئے جواب دے سکو گے کہ دفتر سے اٹھنے اور یہاں پہنچنے کے درمیان جو وقت صرف ہوا اس میں تم کیا کر رہے تھے۔"

"تم اسے ثبوت کہتے ہو۔" قریشی کے لہجے میں شدید طنز تھا۔ "ایک ہوشیار وکیل عدالت میں تمہارے ان دلائل کو بڑی آسانی سے رد کر دے گا۔"

"بہت خوب۔" دلاور نے جیب سے کیسٹ نکالا۔ "تو پھر اسے بھی دیکھ لو۔ اس میں ریکارڈ شدہ گفتگو کے مطابق سیٹھ شمشاد نے تمہیں اس پچاس لاکھ دینے کا اعتراف۔"

بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ اچانک کمرے میں دو فائروں کی آواز گونجی۔ انسپکٹر

دستگیر نے چونک کر قریشی کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے داہنے ہاتھ کی کلائی پکڑے بیٹھا تھا۔ قریب ہی اس کا ریوالور پڑا ہوا تھا۔ جس سے نکلنے والی گولی دلاور کو نقصان پہنچائے بغیر کمرے کے فرش میں پیوست ہو چکی تھی۔ دستگیر حیرت سے دلاور خان کو گھور رہا تھا۔ جس کے کوٹ کی بائیں جیب میں ایک سوراخ نمودار ہو چکا تھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ دلاور نے یہ بے خطا نشانہ اپنے بائیں ہاتھ سے لگایا تھا۔

''میں بہت دنوں سے تمہاری فکر میں تھا۔ قریشی۔'' دلاور خان نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''لیکن مجھے امید نہیں تھی کہ تمہاری ایک حماقت مجھے اس طرح کامیابی سے ہمکنار کردے گی۔''

قریشی نے چونک کر خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اس کا چہرہ سفید پڑنے لگا تھا۔

''ت...... تم' تم کون ہو۔'' اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

''وہی جو تم اب سمجھ رہے ہو۔'' دلاور نے جواب دیا۔ ''مجھے امید ہے کہ تمہارے گھر کی تلاشی سے سیٹھ شمشاد بیگ کے دیے گئے پیسے اور بھی بہت کچھ برآمد ہوگا۔ وہ جس کا تم غیروں سے سودا کر رہے تھے۔ غنیمت ہے کہ تم ایک فوجداری جرم میں پکڑے جاؤ گے اور تمہارے ساتھ اسے تمہاری پس پردہ حرکات کا نتیجہ نہیں سمجھیں گے۔ ایسا ہوتا تو وہ ہوشیار ہو جاتے۔ ان پر ہاتھ ڈالنا زیادہ مشکل ہو جاتا۔ جب کہ مجھے ابھی ان سب کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے۔''

وہ حیران و پریشان انسپکٹر دستگیر کی طرف گھوما۔

''تمہارا مجرم حاضر ہے۔ انسپکٹر اسے گرفتار کر کے لے جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ اس کیسٹ کی مدد سے سیٹھ شمشاد بیگ کا اقبالی بیان حاصل کرنے میں دیر نہیں لگے گی اور کچھ ایسے مزید ثبوت مل جائیں گے۔ جو قریشی کو یقینی طور پر نرگس کا قاتل ثابت کر دیں میرا کام ختم ہو گیا۔ اس لیے اب میں چلتا ہوں۔''

وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

''ٹھہرو۔'' دستگیر نے پکارا۔ ''تم نے ابھی اور میرے سامنے ہی ریوالور استعمال کیا ہے۔ اس کا لائسنس تمہارے پاس ہو تب بھی تمہیں پولیس ہیڈ کوارٹر چل کر اپنا بیان دینا پڑے گا کہ تمہارے پاس پولیس آفیسر کی موجودگی میں گولی چلانے کا کوئی معقول جواز موجود تھا یا نہیں۔''

''اس کے بارے میں اپنے انسپکٹر جنرل پولیس سے رجوع کرنا۔'' دلاور خان نے جواب دیا۔ ''میں کسی خفیہ مقام پر سکونت پذیر نہیں ہوں۔ وہ اگر میری ضرورت محسوس کریں گے تو بلالیں گے۔'' اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ انسپکٹر دستگیر نے قریشی کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا کر اسے حوالات پہنچا دیا۔

بعد میں اس کی مزید تحقیقات اور دلاور خان کے بیان کردہ واقعات و شواہد کی روشنی میں مجرموں کو قرار واقعی سزا بھی مل گئی لیکن انسپکٹر دستگیر جس طرح دلاور خان اور قریشی کی آخری باتوں کا مطلب نہیں سمجھ سکا تھا۔ اسی طرح ایک مدت تک یہ سوچ سوچ کر حیران ہوتا رہا کہ اس کی اتنی سخت اور واضح رپورٹ کے باوجود آئی جی نے نہ صرف یہ کہ دلاور خان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ اس کی رپورٹ کی ڈپلیکیٹ کاپی بھی جسے اس نے ریکارڈ کے لیے ایک فائل میں لگالیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد آپ ہی آپ کہیں غائب ہو گئی۔

⟡......⟡......⟡